آخری چراغ
ہاشم علی خان ہمدم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

آخری چراغ

چودھواں مجموعۂ کلام

ہاشم علی خان ہمدمؔ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام

https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

تعارف

نام	:	ہاشم علی خان ہمدمؔ
ولدیت	:	زمرد خان
تاریخ پیدائش	:	۷؍جولائی ۱۹۷۳ء
تعلیم	:	ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، بی ایڈ (پنجاب یونی ورسٹی لاہور)
جائے پیدائش	:	خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک
پیشہ	:	درس وتدریس
سرکاری ملازمت	:	اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ
ادبی خدمات	:	بانی و منتظم موج غزل ادبی فورم (فیس بک)
اصناف سخن	:	حمد، نعت، غزل، نظم، سلام، منقبت، طنز و مزاح
تصانیف	:	۱۔موجِ کرم (حمد و نعت)
		۲۔پانچواں موسم (غزلیات)
		۳۔آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
		۴۔موج غزل (طرحی غزلیات)
		۵۔محبت کی زباں (طرحی غزلیات)
		۶۔دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)

۷۔ چراغِ فکر (طرحی غزلیات)

۸۔ جہانِ خواب (طرحی غزلیات)

۹۔ چشمِ تماشا (طرحی غزلیات)

۱۰۔ سراب سے آگے (طرحی غزلیات)

۱۱۔ تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)

۱۲۔ آدھا سفر (طرحی غزلیات)

۱۳۔ نمودِ سحر (طرحی غزلیات)

۱۴۔ آخری چراغ (غزلیات)

۱۵۔ چراغِ حرف (غزلیات)

۱۶۔ غزل پوش (غزلیات)

۱۷۔ دم (دیوان)

۱۸۔ سبیلِ کرم (نعتیہ مجموعہ)

۱۹۔ طیبۂ جاں (نعتیہ نظمیں)

۲۰۔ خواب سراب (نظمیں)

۲۱۔ روشنی کے پھول (سلام و مناقب)

۲۲۔ سیلفیاں (طنز و مزاح)

پتہ : خودہ شریف، تحصیل حسن ابدال، ضلع اٹک۔

فون نمبر : 0311-5509555

انتساب

آخری چراغ

سے روشن

محبت کے نام

موجِ ہوائے شہر اٹھا آخری چراغ
آخر جلا کے رکھ ہی دیا آخری چراغ

کتاب: آخری چراغ

شاعر: ہاشم علی خان ہمدمؔ

پتہ: خودہ تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

itshamdam@gmail.com

0311-5509555

سن اشاعت: ۲۰۲۴ء

ایڈیشن: اوّل (برقی اشاعت)

سرورق: نوید ظفرؔ کیانی

ناشر: مکتبۂ ارمغانِ ابتسام، اسلام آباد

قیمت: دعائیں

ویب سائٹ لنک: archive.org

فہرست

روحِ انسانی امرِ الٰہی ہے جو شعور کا منبع ہے۔ شعورِ ایک بے دار احساس ہے جو خالق کائنات سے لذت آشنائی عطا کرتا ہے۔ احساس کے طاق میں روشن چراغ کائنات کے سربستہ راز کھولتا ہے۔ انسان روزِ ازل سے اپنے وجود میں ایک تابناک روشنی محسوس کرتا ہے جس کا ہر رنگ زندگی کا رنگ ہے۔ عالمِ ارواح سے عالمِ دنیا اور برزخ سے عالمِ بقا تک روح کا سفر روشنی کا سفر ہے۔ ہر دورِ انسانی میں روشنی کے رنگ پرت در پرت کھلتے ہیں۔ ہر دورِ حیات میں منشائے خداوندی کے مطابق انسان شعور کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ حواس خمسہ ہوں کہ شعور کی تیسری آنکھ ہر رنگ عین الیقین ہو کر آئینۂ ادراک پر وا ہوتا ہے۔ شعور میں خدا کا احساس ہی انسان کے یقین کامل کی پہلی اور آخری شمع ہے۔ یقین مضبوط ہو تو انسان پر عزم اور پر امید رہتا ہے۔ وہ قدم قدم روشنی کے سفر میں غیر متزلزل منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ اور دنیائے فانی میں آخری سانس تک ثابت قدم رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ امید اور یقین کا چراغ کبھی نہیں بجھتا۔ وہ ازل تا ابد روشن ہے۔

موجِ ہوائے شہر اٹھا آخری چراغ
آخر جلا کے رکھ ہی دیا آخری چراغ

دیوار پر سجا کے رکھے روشنی کے پھول
سب سے الگ بچا کے رکھا آخری چراغ

آخری چراغ میری امید کا استعارہ ہے۔ میں کبھی مایوس نہیں رہا۔ رب کریم نے مجھے زندگی کے نشیب و فراز میں ہمیشہ پرعزم رکھا ہے۔ ایمان کی بہترین حالت میں رہنا ہی توشۂ آخرت ہے۔

میری شاعری میں پانچواں موسم، تیسرا کنارہ اور آٹھواں رنگ منفرد رہنے کی جستجو ہے۔ تیسری آنکھ سے پس آئنہ دیکھنے کی تمنا میرے شعور کا سفر ہے۔ میں ادب کو زندگی کا آئینہ خیال کرتا ہوں جس میں ہر نقش جیتی جاگتی تصویر ہے اور ہر رمزِ خیال میں زندگی کا ریشم اپنی کوملتا کے ساتھ گندھا ہے۔

اردو زبان و ادب کا سفر جدید ذرائع ابلاغ اور سماجی روابط کی وسعت سے تیز تر ہے۔ فیس بک ادبی فورم موجِ غزل سے مسلسل وابستگی نے مجھے بھرپور ریاضت پہ مائل رکھا ہے۔ میں تخلیقی سفر میں موجِ غزل کو عمل انگیز سمجھتا ہوں جو کیمیائے سخن میں مجھے متحرک رکھے ہوئے ہے۔ ہفتہ وار تخلیقی سرگرمیاں نئے تجربات کے لیے مفید ہیں۔ تازہ کاری کی نمود میرا جذبۂ تخلیق ہے۔

زیرِ نظر شعری مجموعہ ''آخری چراغ'' غیر طرحی غزلیات پر مشتمل ہے۔ جس کی برقی اشاعت کا اہتمام موجِ غزل کے منتظمین نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بیناؔ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادبی سفر میں ہمیں کامیاب اور بامراد فرمائے۔ آمین۔

ہاشم علی خان ہمدمؔ

موجِ ہوائے شہر اُٹھا آخری چراغ
آخر جلا کے رکھ ہی دیا آخری چراغ

دیوار پر سجا کے رکھے روشنی کے پھول
سب سے الگ بچا کے رکھا آخری چراغ

صدقہ دل و نگاہ کا لے لیجیے حضور
لو دے دیا ہے نامِ خدا آخری چراغ

مجھ کو تو خیر اپنی سحر کی تلاش تھی
تو کیوں ؟ ہوا میں جھونک دیا آخری چراغ

کب تک دھواں غبار سے پائے گا روشنی؟
کب تک رہے گا جلتا ہوا آخری چراغ؟

میں بھی جلا ہوں شعلہء جاں کے غبار میں
میرے لیے بھی حرفِ دعا! آخری چراغ

میں نے بھی بوند بوند لہو سے نمود کی
گویا مری امید ہوا آخری چراغ

میں نور کا سفیر، مجھے شعلگی بھی دے
لے میری خاک اور بنا آخری چراغ

روشن رتوں کی کھوج میں جلنا پڑا مجھے
اس تیرگی میں جب سے بنا آخری چراغ

اک دل بچا تھا، وہ بھی ترے نام کر دیا
لو شام ہو گئی، یہ رہا آخری چراغ

رکھ دے گا پھر سے صبح کا سورج نکال کر
سورج کے ڈوبنے پہ رکھا آخری چراغ

جتنے دیے تھے سب مری آنکھوں میں آ گئے
دہلیز پر جو میں نے رکھا آخری چراغ

کتنے چراغ چھوڑ کے آیا ہوں بام پر
سورج ہوں مجھ کو یوں نہ دکھا آخری چراغ

دنیا سے تیرگی کو مٹانے کے شوق میں
میں خرچ ہوا، تو اپنی سنا! آخری چراغ

بارش کی ساز باز رہی ہے ہوا کے ساتھ
سازش کے تحت مارا گیا آخری چراغ

میدان کس کے نام رہا، روشنی بتا!
کرب و بلا میں کون بچا؟ آخری چراغ

کچھ یوں ہوا سے پہلا تعارف ہوا مرا
پوچھا جو نام، میں نے کہا، آخری چراغ

کس آگہی نے مجھ میں یہ پہلا سفر کیا
آنکھوں کے آر پار گیا آخری چراغ

ظلمت کدے میں کوئی بھی ہمدم نہیں رہا
کہتے ہیں لوگ میں ہی تو تھا آخری چراغ

☆

سایہ سا مرے دیدۂ بے دار سے نکلا
وہ چشم رسا خواب کی دیوار سے نکلا

موہوم سی امید نے دم توڑ دیا ہے
صد شکر ! کہ میں ہجر کے آزار سے نکلا

اک اور تماشا تھا بپا میری گلی میں
کچھ دیر جو میں شہر کے اخبار سے نکلا

انسان کی توقیر گرانی میں گھٹی ہے
انسان کا بھاؤ کسی بازار سے نکلا

اس بار زلیخا نے عجب دام لگائے
یوسف نہ کوئی مصر کے بازار سے نکلا

ہم نے تو محبت میں دل و جان دیے تھے
کچھ اور مگر کاسۂ اغیار سے نکلا

اعداد شماروں نے وہ سمجھا ہی نہیں ہے
نقطہ جو مرے ہاتھ کی پرکار سے نکلا

آثارِ قدیمہ سے قیامت کے نشاں تک
کیا کیا نہ مرے عہد کے انبار سے نکلا

مدت سے کسی یاد کے تکیے میں بسا ہوں
میں بھی تو کسی حجلۂ شب زار سے نکلا

میں نے ہی کہانی کو نیا موڑ دیا تھا
اک اور فسانہ مرے کردار سے نکلا

دامن میں جنوں لے کے سرِ دار اٹھا ہوں
مجنوں نہ مگر دشت کے دربار سے نکلا

اک خاک زدہ دل تھا جو پانی میں گھلا تھا
کیا اور نکلنا تھا جو زنگار سے نکلا

احباب کی تنقید سے کچھ اور اٹھا میں
کچھ سیکھ کے جب کوچۂ اغیار سے نکلا

احساس کے ٹوٹے ہوئے برتن کے علاوہ
کچھ بھی نہ زمانے کے طلب گار سے نکلا

ہنستے تھے سبھی لوگ کوئی روتا نہیں تھا
میں روتا ہوا شہرِ عزادار سے نکلا

میں لالۂ صحرائی کی خوشبو میں بسا تھا
سب لوگ سمجھتے تھے مجھے خار سے نکلا

ہر آنکھ نے آواز مہکتی ہوئی دیکھی
وہ مصرعۂ تر غنچۂ گفتار سے نکلا

اس طور میں دنیا سے الگ چال چلا ہوں
رستہ بھی مرا وقت کی رفتار سے نکلا

میں بھی تو کسی چاک کے سینے میں پڑا تھا
میں بھی تو کسی ہاتھ کے شہکار سے نکلا

اِک تنگ سی ٹوٹی ہوئی دشوار سڑک تھی
رستہ جو مرے گاؤں کے اشجار سے نکلا

دیکھا تو سرِ شہر کئی ہاتھ قلم تھے
جب نقش مرا تیشۂ پیکار سے نکلا

چھیڑی ہے نئی بات، نئی طرز میں ہمدمؔ
خوشبو میں بسا حرف جو گل زار سے نکلا

کسی کے دل میں کسی کے ہدف میں شامل ہوں
مجھے خبر ہے میں کس کس طرف میں شامل ہوں

مٹا رہا ہے زمانہ بغیر لکھے ہوئے
نہ حاشیے میں پڑا ہوں نہ رف میں شامل ہوں

کہ تا کوئی مجھے سمجھے نہ عام سا پتھر
کنارِ آب میں اہلِ صدف میں شامل ہوں

مرا پیام حسینؑ ہے ہر یزیدی کو
سپاہِ خاکِ مدین و نجف میں شامل ہوں

مری نوائے سخن میں نمود باقی ہے
غبارِ ریزۂ حرفِ حذف میں شامل ہوں

عدم وجود میں لایا گیا نہیں ہے ابھی
ہوا ہوں نشر کہیں پر نہ لف میں شامل ہوں

مرا مقام ترازو میں تولنے والو!
میں آنے والی رتوں کے شرف میں شامل ہوں

کوئی تو ہاتھ اٹھا ہے مرے لیے ہمدؔم
کسی کے چاک گریبان و کف میں شامل ہوں

☆

احساس کے آنگن میں رہے تا بہ ابد عید
اک بار جو مل جائے ہمیں ایک عدد عید

ہر یاد کی تصویر لبِ بام سجا کر
ترتیب میں لاتا ہے جنوں خیز خرد عید

تعبیر میں اک اور شبِ وصل دکھا دے
رکھا ہے ترے در پہ کوئی خواب، مدد! عید

مٹتی ہوئی یادوں کو بھی مہمیز کیا ہے
پھولوں نے بنائی ہے عجب خاک لحد عید

میں چاند کی تصدیق یونہی کر نہیں سکتا
ملنا ہے ترا عید پہ لاریب سند عید

یونہی تو کوئی آ کے گلے سے نہیں لپٹا
اظہارِ محبت ہے یہی آخری حد عید

کیوں چاند کے پیکر میں تجھے دیکھ رہا ہوں
ہیں خال عجب اور غضب ہیں ترے خد عید

لازم ہے تری دید مرے کنجِ نظر میں
کامل ہے ترے نم سے مرا خاکی جسد عید

آئینۂ دِل تجھ سے ہی آباد رکھا ہے
دیکھے نہ کسی چاند میں یہ خال نہ خد عید

تو عید کی سرحد ہے مرے نقشۂ جاں میں
ہے طول بلد عید، مرا عرض بلد عید

جب تک مرے آنگن میں اجالا نہیں ہوتا
تب تک ہے مرے خواب کی تعبیر میں رد عید

ہر سال بصد شوق مناتے ہوئے گزری
خوشیاں مری میراث ہیں اور ورثۂ جد عید

تو عید فقط عید نہیں، عید نہیں ہے
ہے چاند سوا اور ترے دم سے بصد عید

ہم شاد ہیں، آباد ہیں جب اپنے گھروں میں
پھر کیسے منا سکتے ہیں یہ اہلِ حسد عید

ہمدؔم ہے یہی مصرعۂ تر موجِ غزل میں
کر دی ہے ترے نام غزل زادِ رسد عید

☆

کالی چھتری ، نیلا آنچل ، بھیگا ساون
پیار کی پہلی بارش، جل تھل بھیگا ساون

بے کل بے کل ، پاگل پاگل بھیگا ساون
رت گدرائے جنگل جنگل ، بھیگا ساون

گھور گھٹا میں قوسِ قُزَح کے رنگ ملے تو
نم آنکھوں میں پھیلا کاجل، بھیگا ساون

بھیگنے والے روزِ ازل سے بھیگ رہے ہیں
صدیوں جیسا ہے پل دو پل ، بھیگا ساون

بھیگی سڑکوں پر آوارہ گھومنے والے
روک رہا ہے ، آہستہ چل ! بھیگا ساون

ہاڑ ہڑولے پیاس بجھانے کب آتے ہیں؟
روڑا دور کرے گا سانول ، بھیگا ساون

جسم کا صحرا سلگ رہا ہے، پیاس لگی ہے
دریا کر دے روہی سے تھل ، بھیگا ساون

جھلسی ہوئی سوکھی شاخوں کو سبز کرے گا
سونے میں بدلے گا پیتل ، بھیگا ساون

بھیگے ہوئی احساس کی ڈوری الجھی جائے
کب کھلتا ہے گنجل گنجل ، بھیگا ساون

چھت پر گرتی بوندوں کی رم جھم کا نغمہ
دل میں مچائے کیسی ہلچل ، بھیگا ساون

دھوپ نگر کی گرمی بارش دور کرے گی
ایسی تمازت کا واحد حل ، بھیگا ساون

مٹی کو خوشبو دیتی ہے پہلی بارش
کر دیتا ہے رنگ مکمل بھیگا ساون

دل کی دھرتی پھولوں کی چادر اوڑھے گی
سوکھی گھاس کرے گا مخمل، بھیگا ساون

دھند میں لپٹا خواب نگر بھی یوں لگتا ہے
آگ میں جیسے جلتا جنگل ، بھیگا ساون

سات سروں میں سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی، سا
سر سنگیت ہے کومل کومل ، بھیگا ساون

دھرتی کا ارمان یہی ہے ، مان یہی ہے
باغ میں جھولے ، کوکتی کوئل ، بھیگا ساون

ہنستا گاتا موسم بے خود کر دیتا ہے
کر دیتا ہے کتنا پاگل ، بھیگا ساون

بارش میں ہم اتنا بھیگیں ، گم ہو جائیں
منظر منظر کر دے اوجھل ، بھیگا ساون

کچے گھر کے سارے برتن بھر دیتا ہے
یادوں کی بوچھاڑ سے بوجھل ، بھیگا ساون

امیدوں کی فصل اگائے ، خواب دکھائے
دشتِ وفا میں آس کا جنگل ، بھیگا ساون

ہجر ندی ہے ، تند روی ہے ، طغیانی ہے
ہم دونوں کے بیچ میں حائل ، بھیگا ساون

کھڑکی کے شیشے پہ پھسلتی بوندیں جیسے
بھیگا بدن ہو شوخ و چنچل ، بھیگا ساون

جانے کیسی پیاس رہی ہے مجھ کو ہمدؔم
برس رہا ہے مجھ پہ مسلسل ، بھیگا ساون

بنے بنائے ہوئے رستے کو راہ کرتے لوگ
روایتوں سے جڑے ہیں نباہ کرتے لوگ

اے کاش! خود کو زمانے میں سرخ رو کرتے
عجب ہیں نامۂ دوراں سیاہ کرتے لوگ

انھیں خبر ہی نہیں ہے کہ مارے جائیں گے
غلام شہر کو جائے پناہ کرتے لوگ

خودی میں سر کو اٹھائیں تو کوئی بات بنے
کہاں جھکے ہیں سبھی کج کلاہ کرتے لوگ

مجھے یقین ہے منزل کا راز پا لیتے
ضمیرِ کن کو اگر سربراہ کرتے لوگ

یہی ہیں حاشیہ بردار اور کچھ بھی نہیں
فضول بات پہ بھی واہ واہ کرتے لوگ

طریق جس کا فقیری میں بادشاہی تھا
اسی فقیر کو ہیں بادشاہ کرتے لوگ

جدھر بھی دیکھ رہے ہیں ادھر ہی منزل ہے
چراغِ راہ کو چشمِ سیاہ کرتے لوگ

فریبِ راہِ تمنا میں چلتے رہتے ہیں
درونِ شہرِ تماشا نگاہ کرتے لوگ

وہ کتنے سال ہوئے گاؤں چھوڑ آیا ہے
مگر وہ بھولا نہیں الوداع کرتے لوگ

کبھی تو عدل کی زنجیر بھی ہلا دیتے
کبھی تو خود کو ہی اپنا گواہ کرتے لوگ

پکارتی ہیں فضائیں اداس حجرے کی
کہاں گئے مرے گاؤں سے چاہ کرتے لوگ

قدم قدم پہ یہاں مسجدیں بنی ہوتیں
دیارِ عشق اگر سجدہ گاہ کرتے لوگ

یہ کس گمان کی دنیا بسانے لگ گئے ہیں؟
چلے ہیں ایک ستارے کو ماہ کرتے لوگ

وہ جن کو تیرنا آتا تھا پار اترے ہیں
کنارے پر ہی رہے انتباہ کرتے لوگ

اگر نہ عشق میں ناکام ہو گیا ہوتا
سرائے عشق مری خانقاہ کرتے لوگ

مرے ہی نام سے پہچانتے ہیں، جانتے ہیں
عدوئے جاں کو مرا خیر خواہ کرتے لوگ

مجھے بھی قیس میاں کا مرید کہتے ہیں
درِ جنوں کو مری درس گاہ کرتے لوگ

نظامِ تیرہ شبی سے الجھ رہے ہیں ابھی
اجالے شہر میں یوں گاہ بہ گاہ کرتے لوگ

ہمارے نام کی تختی بدل گئی ہوتی
تری گلی کو اگر شاہ راہ کرتے لوگ

عجیب ذوقِ شہادت کی رمز پائے ہوئے ہیں
جنوں کی موج میں خود کو تباہ کرتے لوگ

نجانے کون سے رستے پہ چل پڑے ہمدمؔ
بھٹک رہے جہاں میں گناہ کرتے لوگ

ویسے تو بدل جائیں گے حالات یقیناً
بدلی ہیں نہ بدلیں گی روایات یقیناً

احساس کے گوہر کبھی ضائع نہیں ہوتے
ڈھلتے ہیں محبت میں یہ جذبات یقیناً

ورنہ میں کسی کام کے قابل ہی کہاں تھا
ہوتی ہیں مرے ساتھ کرامات یقیناً

یہ امن کی بستی کبھی آباد تو ہو گی
مٹ جائیں گی دنیا سے خرافات یقیناً

اس بار میں اوقات سے باہر نہیں نکلا
بڑھ جائیں گی اس بار عنایات یقیناً

انسان سے جڑتا ہے عناصر کا تعلق
ہیں اور نباتات و جمادات یقیناً

یہ عشق کی معراج تو صدیوں کا سفر ہے
آئیں گے ابھی اور مقامات یقیناً

جس روز نظر آئے ہمیں صاحب عالم
جی اٹھیں گے ہم اہلِ مضافات یقیناً

ہم بھی تو ضمیروں کی عدالت میں پڑے ہیں
کی جائے گی ہم سے بھی مساوات یقیناً

یوں ہی تو کوئی شہر سے ہجرت نہیں کرتا
بدلے ہیں مرے شہر کے حالات یقیناً

صدیوں کی کہانی سے کشیدہ جو ہوا میں
کردار سے نکلیں گی حکایات یقیناً

تعمیر کی ہر اینٹ میں تخریب نہاں ہے
آباد نہیں ہوں گے خرابات یقیناً

یوں ہی تو فقیری میں امیری نہیں ملتی
ملتی ہے مدینے سے یہ خیرات یقیناً

ورنہ مری قسمت میں شبِ وصل کہاں تھی؟
پڑھتا تھا کوئی ہجر کے صفحات یقیناً

یوں ہی تو لبِ بام اجالا نہیں ہوتا
مٹتے ہیں چراغوں سے ہی ظلمات یقیناً

افکار کی تقسیم ہے تفریق تو ہو گی
بٹ جائیں گے افراد میں طبقات یقیناً

کس دور کی تاریخ عبث ڈھونڈ رہے ہو!
مل جائیں گے ہر شہر میں دیہات یقیناً

یوں ہی تو سخن زادسرا ہے نہیں جاتے
اشعار میں ہمدم ہیں جمالات یقیناً

☆

اٹھتے چلیں جائیں گے سوالات یقیناً
حیرت کو بڑھائیں گے جوابات یقیناً

بکھرا ہے تو احساس کی تجسیم تو ہو گی
ڈھل جائیں گے پتھر میں بھی ذرات یقیناً

بستی میں جو کھیڑے کا بکھیڑا نہیں ہوتا
لٹتی نہ کبھی رانجھے کی بارات یقیناً

یوں ہی تو غزل ساز پہ گائی نہیں جاتی
دھڑکن سے نکلتے ہیں یہ نغمات یقیناً

یوں ہی تو کسی دل میں اترتا نہیں کوئی
مل جاتی ہیں آنکھوں سے علامات یقیناً

بچھڑے ہیں مگر پھر بھی مرے دل کو یقیں ہے
پہلے کی طرح ہو گی ملاقات یقیناً

جذبات میں بارش کی طلب جھوم رہی ہے
اب ٹوٹ کے برسے گی یہ برسات یقیناً

مدت سے اندھیروں کے تعاقب میں دیا ہے
پھوٹے گی سحر، ٹوٹے گی یہ رات یقیناً

جو زرد خزاؤں میں ہرے ہو نہیں سکتے
لائیں گے بہاروں کو یہی پات یقیناً

جو حرف و حکایات ابھی سنتے نہیں ہیں
مانیں گے یہی لوگ مری بات یقیناً

جدّت بھی روایت کے تسلسل کا قدم ہے
ہمدؔم ہیں یہی شعری روایات یقیناً

نہ لاگ نے لگاؤ ہے علیحدہ علیحدہ
یہ عشق کا الاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

پھر اس کے بعد ہم نیا سفر کریں گے ساتھ ساتھ
یہ آخری پڑاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

کوئی چراغ جل اٹھا، کوئی چراغ بجھ گیا
ہواؤں کا دباؤ ہے علیحدہ علیحدہ

کہیں فسوں کی ڈور ہے، کہیں جنوں کا زور ہے
قدم قدم کھنچاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

چراغ جل رہے ہیں یا ستارے آسمان پر
روش روش سجھاؤ ہے علیٰحدہ علیٰحدہ

حسین جل پری کھڑی ہے بے قرار جھیل میں
اداؤں کا لبھاؤ ہے علیٰحدہ علیٰحدہ

کہیں پہ سطحِ مرتفع، کہیں پہ کوہ و دشت ہیں
زمین کا کٹاؤ ہے علیٰحدہ علیٰحدہ

یہ تلخیاں تو گردشِ زماں کی پیداوار ہیں
نہ آؤ ہے نہ تاؤ ہے علیٰحدہ علیٰحدہ

کسی کی خاک اور ہے کسی کا چاک اور ہے
بناؤ اور پکاؤ ہے علیٰحدہ علیٰحدہ

وہ درد بیچتا ہوا، میں غم خریدتا ہوا
ہمارا بھاؤ تاؤ ہے علیٰحدہ علیٰحدہ

وہ مرکزِ مدار ہے، میں گردشِ مدام ہوں
نصیب کا گھماؤ ہے علیحدہ علیحدہ

اسے گمان لے گیا، مجھے یقین لے چلا
یہ فطرتی کٹاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

کوئی کنارِ بحر ہے، کوئی بھنور کے بیچ ہے
ادھر ادھر بہاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

کسی کا سکھ بہار ہے، خزاں کسی پہ بار ہے
یہ موسمی تناؤ ہے علیحدہ علیحدہ

قیام اور سجود میں رکوع کا مقام ہے
جھکاؤ اور اٹھاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

وہ اپنی چال چل گیا مری بچھی بساط پر
کہ اپنا اپنا داؤ ہے علیحدہ علیحدہ

وہ وصل کا اسیر ہے میں ہجر کا سفیر ہوں
محبتوں کا گھاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

چلے تھے ایک دوسرے کا بادبان تھام کر
بھنور کے بیچ ناؤ ہے علیحدہ علیحدہ

کوئی انا مرید ہے، خودی کا کوئی پیر ہے
حدود کا چناؤ ہے علیحدہ علیحدہ

دیارِ حرف میں میں نشیب اور فراز ہیں
اتار اور چڑھاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

میں 'ہم' سے دال میم تک، وہ 'دم' سے ہاو میم تک
ہمارا رکھ رکھاؤ ہے علیحدہ علیحدہ

درپیش مجھے بات کا اظہار الگ ہے
یہ صفحۂ ادراک مرے یار الگ ہے

نم اور نگاہوں سے نمودار الگ ہے
آئینہ ء دل بر سرِ پیکار الگ ہے

حالات مرے اور ترے اور ہوئے ہیں
ادراک غلط شہر کا اخبار الگ ہے

بس ایک ہی دستک ہمیں بے دار کرے گی
در اور ہمارا ہے نہ دیوار الگ ہے

اب قدر مطابق مری قیمت نہیں لگتی
مدت سے مرے شہر میں بیوپار الگ ہے

کچھ اور ہی عالم ہے مگر موجہ ءِ گل کا
پھیلی ہے سرِ عام جو مہکار الگ ہے

اب راگ کے چھڑ جانے پہ بارش نہیں ہوتی
فن اور مرے دور کا فن کار الگ ہے

یہ حاشیہ بردار ہی رستہ نہیں دیتے
لگتا ہے مرے شاہ کا دربار الگ ہے

میں نے تو فقط حرف اٹھایا تھا زمیں سے
قرطاس پہ کھنچتی ہوئی پرکار الگ ہے

میں بھی تو روایت سے نمودار ہوا ہوں
آواز مری اور نہ اظہار الگ ہے

کردار مرا مجھ پہ عزاداری کرے گا
مولائی ہوں سو میرا عزادار الگ ہے

یہ جسم بھی لگتا ہے کسی دھوپ نگر کا
دیوار الگ سایۂ دیوار الگ ہے

مر جائے گا لیکن وہ سدا زندہ رہے گا
رکھا ہے کہانی میں جو کردار الگ ہے

کرنا ہے مجھے خود سے کوئی مشورہ پہلے
یہ تخلیہ تجھ سے مری سرکار الگ ہے

یہ وحشتِ دل ہے نہ کوئی عام جنوں ہے
اس دامن صد چاک میں ہر تار الگ ہے

انداز ہیں سب ایک طرح دار کے ہمدمؔ
محبوب، مٹھل، یار نہ منٹھار الگ ہے

☆

کیسے نہ ہو؟ کیا کیا نہ ہو؟ کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
دانش ورو! اے شاعرو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

نقشِ قدم ہے خاک پر، حرفِ کرم ہے چاک پر
کوزہ گرو! چارہ گرو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

بے تاب ہیں کیوں دھڑکنیں؟ کیوں موجۂ خوں تیز ہے؟
دل میں رہو! دل کی سنو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

کٹ جائے گی یہ رات بھی، ٹل جائے گی یہ گھات بھی
بیٹھے رہو! سنتے رہو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

آپس کا ہے یہ مسئلہ، مل کر کریں گے فیصلہ
آؤ میاں! بیٹھو! سنو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

تم نے لکھے ہیں فیصلے ، ہم نے سہے ہیں فیصلے
پیارے وطن کے منصفو ! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

یہ وقت ہے انصاف کا، جاگے ہوئے احساس کا
اے دوستو ! یوں مت ڈرو ! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

یہ کیا کہ ہم بھی چپ رہیں، یہ کیا کہ تم بھی گم رہو
اے ہمدمو! اے دوستو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

موج غزل کا رنگ ہے، شعر و ادب کا ڈھنگ ہے
بہر سخن ، آگے بڑھو ! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

یہ تو فلاں ابن فلاں ابن فلاں کی بات ہے
رہنے بھی دو ! اچھا سنو ! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

کیا ہجر ہے؟ کیا وصل ہے؟ لیلیٰ ہے کیا؟ مجنوں ہے کیا؟
دشتِ جنوں کے عاشقو ! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

ہم بھی وہیں موجود تھے، تم بھی وہیں موجود تھے
اے لامکاں کے ساتھیو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

مل جل امیرِ شہر کو سچائی کا پیغام دیں
سر پر کفن باندھو! اٹھو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

جاں کی اماں پاتے ہوئے عالی قدر! عزت مآب
لو آخری خواہش سنو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

یہ آگہی کا قرض ہے، سچ بولنا تو فرض ہے
اہلِ سخن! دیدہ ورو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

جانا نہیں یوں چھوڑ کر، تاریخ کے اس موڑ پر
اخبار کی سرخی بنو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

کچھ راستے، کچھ منزلیں اس اور سے اس اور ہیں
ٹھہرو ذرا! ہمدم رکو! کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

درونِ شہرِ تمنا عجب تماشا ہوا
جسے بھی خواب کیا ہے غضب تماشا ہوا

سبھی نے چہرہ ءِ عالم پہ آنکھ رکھی ہے
یہ رمز کون سمجھتا ہے کب تماشا ہوا؟

کسی کی یاد کا سورج طلوع ہونے لگا
چراغ بجھنے لگے تھے کہ شب تماشا ہوا

چراغ ہم نے جلائے ہیں روشنی کے لیے
ہمارے آنے سے دنیا میں سب تماشا ہوا

کوئی بھی آنکھ نہ ٹھہری سراب منظر پر
فریبِ چشمِ تماشا عجب تماشا ہوا

وصال رت نے دکھایا ہے قربتوں کا فسوں
کہ پیاس، لمس، خماری سے لب تماشا ہوا

حسین خواب کی دنیا تھی اور بس ہم تھے
گماں میں بھی نہیں تھا جو اب تماشا ہوا

یہ لامکاں کا فسانہ کھلا نہیں ہم پر
نجانے کون جہاں تھا کہ جب تماشا ہوا

وگرنہ رقص میں تھمتے تھے کب مرے پاؤں؟
زمین موج میں آئی ہے تب تماشا ہوا

کسی میں خوئے وفا کیوں نظر نہیں آتی
بدل گئے ہیں قبیلے، نسب تماشا ہوا

کوئی تو کارِ جہاں سے گزرنے والا تھا
یونہی نہیں تو یہاں بے سبب تماشا ہوا

گزشتہ عہد کی وہ گفتنی نہیں ملتی
غزل سے خود کو نکالا کڈھب تماشا ہوا

وہ جس کے ظرف کی قیمت نہیں ہے دھیلے کی
عیاں ہوا ہے تو اربوں ارب تماشا ہوا

ستارے بام سے اترے ہیں دیکھنے کے لیے
زمیں کے چاند سے دنیا میں جب تماشا ہوا

کسی کو دیکھ کے آتی تھی جان جاتی تھی
مریضِ دل پہ عجب جاں بہ لب تماشا ہوا

ہمارے شہر میں اب کربلا کا موسم ہے
خوشی نے کوچ کیا ہے، طرب تماشا ہوا

ہم ایک عمر سے خوابوں کو چھوڑ بیٹھے تھے
ہمارے واسطے کیوں بے طلب تماشا ہوا

ہم اہلِ دل کی محبت سے لوگ کھیلے ہیں
کسی کا شغل کسی کا شغب تماشا ہوا

امیرِ شہر کی پہچان ہی نہیں رہی ہے
یزید نام پڑا ہے ، لقب تماشا ہوا

سرائے قدس کا محشر یہیں سے اٹھے گا
عجم یہ دیکھ رہا ہے عرب تماشا ہوا

پرانے عہد کی تہذیب کھو گئی ہے کہیں
جدید دور میں نیچر کلب تماشا ہوا

سخن کے رزق میں برکت نہیں رہی ہمدمؔ
زباں مذاق ہوئی ہے ادب تماشا ہوا

☆

حق بات پہ مرنے کا ارادہ کیا جائے
سقراط کی سنت کا اعادہ کیا جائے

ان عقل کے اندھوں کو دکھائی نہیں دیتا
یہ عشق ذرا اور بھی سادہ کیا جائے

سنتے ہیں درختوں پہ نیا رنگ چڑھے گا
اس بار یہ دالان کشادہ کیا جائے

اس شہرِ منافق پہ بھروسہ نہیں کوئی
سوچے کیا ہم نے کہ نہ وعدہ کیا جائے

اشعار کہے جائیں ذرا تازہ زمیں میں
یوں حرفِ کہن کا نہ اعادہ کیا جائے

کہتے ہیں یہ خوابوں کا سفر سہل نہیں ہے
ایسا ہے تو پھر شوق زیادہ کیا جائے

منزل کی نشانی تو یہی نقشِ قدم ہیں
کچھ دیر سفر اور پیادہ کیا جائے

کچھ دھوپ ضروری ہے، ابھی ظلمتِ شب ہے
سورج کو چراغوں کا لبادہ کیا جائے

کیا موج کنارے پہ ہمیں لے کے چلے گی؟
کیا اذنِ جنوں راہ کا جادہ کیا جائے؟

کب دل میں سماتی ہے یہ احساس کی دنیا
دامن کو ذرا اور کشادہ کیا جائے

اس درد کی لذت پہ بھی ہم دونوں کا حق ہے
تقسیمِ محبت میں نہ آدھا کیا جائے

ساقی کی نگاہوں کا اشارہ ہی بہت ہے
اس تشنہ نگاہی کو ہی بادہ کیا جائے

یا حد میں رکھی جائے یہ پروازِ تخیل
یا پھر سے توانائی کو مادہ کیا جائے

اچھا ہے کہ پیکار نہ ہو زاویہ دل کا
یوں قائمہ، منفرجہ نہ حادہ کیا جائے

یہ دل کا تعلق ہے، محبت کا سفر بھی
یہ کار نہ بے کار مبادا! کیا جائے

کردار بدلنے سے بدلتا ہے زمانہ
نقصان اگر ہے تو افادہ کیا جائے

ہمدؔم یہی رستہ مرا ہموار کرے گا
پگھلے ہوئے پتھر کو برادہ کیا جائے

اپنا اپنا شوق سادہ کر لیا
مل کے جینے کا ارادہ کر لیا

اب گزاریں گے ادھوری زندگی
ہجر کا غم آدھا آدھا کر لیا

ہم نے خوشبو سے محبت عام کی
عرصۂ گل ہی لبادہ کر لیا

جس قدر بھی راستے ٹیڑھے ہوئے
عزم اپنا ایستادہ کر لیا

عشق میں دردِ جگر اچھا لگا
کم ہوا تو پھر زیادہ کر لیا

سرد ہونٹوں کا دسمبر سوچ کر
لمس چائے کا زیادہ کرلیا

کچھ سفر تو رخشِ دل پر طے ہوا
کچھ سفر ہم نے پیادہ کرلیا

بوسہ ءلب سے بچھڑتے وقت بھی
پیار کا پھر سے اعادہ کرلیا

مرشدِ دل نے مریدی فرض کی
خود کو ہم نے عشق زادہ کر لیا

ہاتھ آیا ہی نہیں سنگِ جنوں
کس توانائی کو مادہ کر لیا

پھول کھلتے جا رہے ہیں دور تک
دامن دل یوں کشادہ کر لیا

مستقل رشتہ تھا ہمدؔم خاک سے
خاک داں کو خانوادہ کرلیا

☆

لہجے کی تلوار سے مارا جا سکتا ہے
وہ اپنے معیار سے مارا جا سکتا ہے

ایک محبت اور نبھائی جا سکتی ہے
دل کو پہلے پیار سے مارا جا سکتا ہے

چہرے سے گرد ھند لپٹنے والی رت ہے
آئینہ زنگار سے مارا جا سکتا ہے

وحشت کے اظہار پہ یہ پابندی کیسی؟
اب بھی سر دیوار سے مارا جا سکتا ہے

گلشن کی آرائش کرتے دھیان میں رکھنا
دل کا غنچہ خار سے مارا جا سکتا ہے

دشمن کی اوقات نہیں کہ وار کرے گا
یار مرا بس یار سے مارا جا سکتا ہے

جھوٹا ہے کردار جو کورے کاغذ پر ہے
وہ سچے اخبار سے مارا جا سکتا ہے

ڈسنے والے پر یہ مروت ٹھیک نہیں ہے
یہ موذی تو مار سے مارا جا سکتا ہے

دو کجراری آنکھوں پر قربان ہوا دل
دو دھاری تلوار سے مارا جا سکتا ہے

ایک محبت آن پڑی ہے، کرنا کیا ہے؟
دل کارِ بے کار سے مارا جا سکتا ہے

عشق بھی گویا دل پر خود کش حملہ جیسے
خود کو ایک ہی وار سے مارا جا سکتا ہے

خواب کنارے بے غم پھرنے والے سن لے!
دریا کے اس پار سے مارا جا سکتا ہے

شہر کے اندر وحشت پلتی دیکھ رہا ہوں
جنگل کے آثار سے مارا جا سکتا ہے

منزل پاؤں کے نیچے لائی جا سکتی ہے
رستہ بھی پیکار سے مارا جا سکتا ہے

ہو سکتی ہے آمدِ وصل کے لمحوں کی بھی
ہجر لبِ اظہار سے مارا جا سکتا ہے

بھنورا ہو کہ بلبل ہو یا گل چیں دل ہو
پھولوں کی مہکار سے مارا جا سکتا ہے

میرا قاتل مجھ سے جتنا دور رہے پر
اپنے ہی کردار سے مارا جا سکتا ہے

شاعر اپنے حرف کی بے توقیری پر بھی
اندر کے فنکار سے مارا جا سکتا ہے

وہ گھبرو جو سینہ تانے گھوم رہا ہے
گاؤں میں ونگار سے مارا جا سکتا ہے

دفتر کے بابو سے لوگو ! ڈرنا کیسا؟
وہ کارِ سرکار سے مارا جا سکتا ہے

میرے دور کا ہر اک لڑکا ہی مجنوں ہے
عام سی اک گلنار سے مارا جا سکتا ہے

آگ اسی پانی سے بجھائی جا سکتی ہے
سوزِ دل منٹھار سے مارا جا سکتا ہے

ہمدؔم سچے لفظ میں اتنی طاقت ہے کیا؟
ظالم کو اشعار سے مارا جا سکتا ہے

مرے چراغ کی لو سے قدم بڑھائے ہوا
غبار اٹھنے لگے تو دھواں اٹھائے ہوا

میں اپنے بس میں نہیں ہوں کہ اپنے آپ چلوں
ہوا کے ہاتھ لگا ہوں ، سو اب اڑائے ہوا

مرے خمیر سے نکلی ہے داستانِ صبا
یہ کس دیار کا قصہ مجھے سنائے ہوا

وہ خدّ و خال جو کھلتے ہیں، کھلتے جاتے ہیں
کہاں لیے ہوئے اڑتی ہے اپسرائے ہوا

اسیرِ ذات کی خواہش کوئی نئی تو نہیں
درِ قفس کھلا رکھو کہ آئے جائے ہوا

کوئی تو آس لگے شب گزار آنکھوں کو
سرائے خواب کی رہ میں دیا جلائے ہوا

یونہی نہیں تو بگولے سراب ڈھونڈتے ہیں
جنوں کے دشت سے ملتا ہے نقشِ پائے ہوا

میں شاخِ گل کے لچکنے کا لطف لیتا ہوں
ہوس شعار نہیں دل مرا کہ کھائے ہوا

خزاں کے جسم پہ زخموں کا زنگ کہتا ہے
کشید کر کے بہاروں کا رنگ لائے ہوا

ہوا کے دوش پہ اڑنے کو میں بھی نکلا ہوں
سو گرد و پیش میں اپنی بساط لائے ہوا

یہ پیش گوئی نہیں ہے، یہ پیش منظر ہے
فضائے شہر بدلتی ہوئی دکھائے ہوا

یہ پیچ و خم تو ہیں شام و سحر زمانے کے
کبھی ہنسائے دلوں کو کبھی رلائے ہوا

غبارِ جاں سے دریدہ مرا لباس رہا
مرے بدن سے نمیدہ رہی قبائے ہوا

لبوں کے لمس کا جادو ہے نرم جھونکے میں
کوئی تو نغمہ سرا ہے کہ گنگنائے ہوا

یہ زرد رنگ دسمبر اسی بہار سے ہے
جو کھلتی دھوپ کی سرسوں میں لہلہائے ہوا

شب وصال بھی ہجراں کی پیاس رکھتے ہوئے
بدن کو چھوڑ کے نکلے تو دل جلائے ہوا

کلی سے دل کی گلی تک رواں دواں رہی ہے
صدائے گل کو میسر ہے آبنائے ہوا

مرے مزاج پہ رہتا ہے شہر کا موسم
مرا مزاج نہ ہو تو یہ مر ہی جائے ہوا

کسے مجال کہ سایہ گھٹا سکے اپنا
کہ سینہ تان کھڑے ہیں شجر برائے ہوا

ہوس کی آگ سے دوچار جو کیے ہوئے تھی
قدم جو ہم نے بڑھائے تو ڈگمگائے ہوا

ہماری سرد مزاجی سے آگ بجھتی ہے
وہ برف زاد بدن ہے کہ کپکپائے ہوا

نجانے کیسا نشہ ہے چنار وادی میں
سماوراؤں سے نکلے تو لڑکھڑائے ہوا

ادھر ادھر نہیں پڑتی گلوں پہ جاتی ہے
ہماری شاخِ نظر کو جو تھپتھپائے ہوا

حسین موڈ کا موسم ہے بس یہی ہمدؔم
کھلیں جو پھول تو خوشبو سے مسکرائے ہوا

☆

خواب کی جھیل میں جل پری رہ گئی، زندگی رہ گئی
آرزو دل کی دل میں دھری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

جس گھڑی میں ڈھلا، ہم بھی ڈھلنے لگے، ساتھ چلنے لگے
وقت کے ہاتھ کوزہ گری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

کوئی خواہش نہ تھی، کوئی کوشش نہ تھی، کوئی کاوش نہ تھی
خشک مٹی مری بنجری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

جسم بے آب تھا، خون تیزاب تھا، کون سیراب تھا؟
سرخ پانی سے کھیتی ہری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

پیرہن چاند کا یوں اترتا گیا، عکس گھلتا گیا
چاندنی میں بھی جادوگری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

کون چپکے سے دل کی کلی چھو گیا، برگِ گل چھو گیا
پیاسے ہونٹوں پہ شبنم بھری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

کوٹ پہنے ہوئے، شال اوڑھے ہوئے، مسکراتے ہوئے
ایک برفاب صورت مری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

کند ذہنوں کو اذنِ سخن مل گیا ، بانکپن مل گیا
پتھروں میں یہی آذری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

دل کا سودا کیا، خود کو بیچا کیا، عشق ایسا کیا
دل لگی رہ گئی ، خود سری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

میں نے چوما تھا بس ایک تصویر کو ، اپنی تعبیر کو
دل میں صورت کوئی احمری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

میں چلا، کارواں یوں ہی بنتا گیا، آگے بڑھتا گیا
ایک دنیا مری لشکری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

سب کو پرکھا ہے بس تیرے کردار پر، اپنے معیار پر
تجھ کو دیکھا نظر جوہری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

کچھ تو اپنی زباں میں کہو شاعرو ! کچھ لکھو صاحبو!
اب تو اردو زباں مادری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

اب تو ملنا ملانا بھی کم ہو گیا، کیا ستم ہو گیا؟
بس ملاقات بھی سرسری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

کون غزلیں کہے؟ کون نظمیں لکھے؟ کون نغمے سنے؟
اب تو شعروں میں غم پروری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

ورنہ ہم جان دینے کو تیار تھے ، بر سرِ دار تھے
یہ بھی اچھا ہوا دلبری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

بے کلی ہے یہی ، بے خودی ہے یہی ، بندگی ہے یہی
دل کے دربار کی چاکری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

پھر وہی صبح ہے، پھر وہی شام ہے، پھر وہی کام ہے
گردشِ وقت بھی جنتری رہ گئی، زندگی رہ گئی

دل قلندر کے در پر پڑا رہ گیا، میں کھڑا رہ گیا
بندگی نعرۂ حیدری رہ گئی، زندگی رہ گئی

ہر قدم سوز ہے، ہر قدم ساز ہے، ہر قدم راگ ہے
سانس کی نغمگی بانسری رہ گئی، زندگی رہ گئی

عشق میلے میں دھمال ڈالے ہوئے ، بال کھولے ہوئے
ناچتے ناچتے بانوری رہ گئی، زندگی رہ گئی

جنگلوں میں جسے چھوڑ آئے تھے ہم، توڑ آئے تھے ہم
گھر کے اندر وہی بے گھری رہ گئی ، زندگی رہ گئی

کون محبوب ہے؟ کون مرغوب ہے؟ کون اسلوب ہے؟
کس پہ ہمدؔم تری شاعری رہ گئی؟ زندگی رہ گئی

ارتقائے زندگی کی لہر میں رہتے ہوئے
اجنبی ہیں لوگ اپنے شہر میں رہتے ہوئے

خوش نما چہرے مگر لہجے سموم آلود ہیں
سانپ جیسے ہو گئے ہم زہر میں رہتے ہوئے

آئنہ پوشی بہت مہنگی پڑی ہے دوستو!
چھپ نہیں سکتے کسی سے دہر میں رہتے ہوئے

کان میں رس گھول کر نغمہ سرا رخصت ہوا
دل مچلتا رہ گیا کس جہر میں رہتے ہوئے

تیرنا سیکھا ہوا ہے کشتیوں کو چھوڑ کر
ہم کنارہ ڈھونڈتے ہیں بحر میں رہتے ہوئے

عشق گویا سامری تھا جس نے جادو کر دیا
بے خودی طاری رہی ہے سحر میں رہتے ہوئے

عمر گزری ہے ہماری پانیوں کے درمیاں
خشکیوں کو پار کرتے ، نہر میں رہتے ہوئے

دل سرائے عقد میں باہم ہوئے تو یوں ہوا
بک گئے گویا معجل مہر میں رہتے ہوئے

ہر قدم آزار تھا ہمدم سرابِ آگہی
زندگی ہم نے گزاری قہر میں رہتے ہوئے

عرصۂ جاں سے کوئی عکس برابر نکلا
آئنہ پوش ہوا، خواب کا پیکر نکلا

ہم نے آئینۂ معراج میں جب بھی دیکھا
سات پردوں سے فروزاں رخِ انور نکلا

میں نے اک عمر گزاری تھی قیامت جیسی
خاک ہوتا ہوا میں بھی سرِ محشر نکلا

رنگ دہقان کے چہرے پہ سنہری آیا
کیسی مٹی سے چمکتا ہوا زیور نکلا

رمز الفاظ میں آئی تو غزل ہو کے رہی
ریزۂ حرف سے اظہار کا تیور نکلا

میں نے سورج کو اندھیرے میں پرکھنا چاہا
دھوپ چھانی تو مری آنکھ سے کنکر نکلا

میں تجھے گردشِ ایام سمجھ بیٹھا تھا
تو کسی اور زمانے کا ہی چکر نکلا

یہ محبت ہے، مقدر ہے کہ جادو کوئی
لاٹری میں بھی ترے نام کا نمبر نکلا

یوں بہاروں میں خزاؤں کے ستم کھلتے رہے
نغمۂ بادِ صبا، موجۂ صرصر نکلا

اب جسے سوچ کی دیوار کہا جاتا ہے
ایک سایہ تھا کبھی جسم سے باہر نکلا

خار پاؤں کے مرے دل میں چبھے رہتے ہیں
آبلہ ایسا مرے ذات کے اندر نکلا

کوئی ہم جا ہے نہ ہم زاد نہ ہمدم کوئی
کس مرکب سے مری جان کا عنصر نکلا

تشنگی حد سے گزرنے ہی لگی تھی لیکن
چشمِ ساقی سے چھلکتا ہوا ساغر نکلا

چال دشمن نے کچھ اس طرح چلی ہے ہمدؔم
آستینوں سے کوئی سانپ نہ خنجر نکلا

☆

ہر کوئی اپنی راہ چلتا ہے، سب چلتا ہے، سب چلتا ہے
ورنہ زور کسی کے دل پر کب چلتا ہے؟ سب چلتا ہے

ہوش کسے کب رہتا ہے؟ جب آنکھ ملے اور دل لگ جائے
عشق کی راہ میں ہر کوئی جان بہ لب چلتا ہے، سب چلتا ہے

دھوپ کنارے جلتے جلتے، ڈھلتے اور پگھل جاتے ہیں
چڑھتا سورج سر پہ ہمارے جب چلتا ہے، سب چلتا ہے

نازک لمحے کٹ جاتے ہیں، سو جاتے ہیں، کھو جاتے ہیں
وصل ستارہ جب بھی ہجر کی شب چلتا ہے، سب چلتا ہے

سرخ لہو سے دم پڑتا ہے، سبز نمو سے نم پڑتا ہے
زندہ رہنے کو بھی کیا کیا ڈھب چلتا ہے، سب چلتا ہے

آنا جانا ، چلنا پھرنا ، ایسا ویسا ، جیسا تیسا
میں چلتا ہوں ساتھ کسی کے، تب چلتا ہے، سب چلتا ہے

نام ونسب، کردار نہیں تھا جس کا، وہ دھنوان ہوا ہے
دھن، دولت کا کھوٹا سکہ اب چلتا ہے، سب چلتا ہے

غوث، قطب، ابدال، قلندر، اپنے آپ میں کب رہتے ہیں
اس رستے پر عشق بحکمِ رب چلتا ہے، سب چلتا ہے

جس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں، دکھ دیتا ہے، سکھ لیتا ہے
جو چلتا ہے اپنے ساتھ عجب چلتا ہے، سب چلتا ہے

نیلے، پیلے، سرخ، گلابی، اودے، کاسنی پھولوں جیسا
مہکا مہکا خوشبو زاد لقب چلتا ہے، سب چلتا ہے

ذات، قبیلہ، کام اور عہدہ، رکھ رکھاؤ کچھ بھی نہیں ہے
یونہی ہم سمجھے تھے نام، نسب چلتا ہے، سب چلتا ہے

بوتل، جام، صراحی، مینا، ساغر، ساقی سب چلتے ہیں
رات گئے اس شہر میں دورِ طرب چلتا ہے، سب چلتا ہے

حقہ پانی، سگریٹ بیڑی، بھنگ اور چرس بھی چل جاتی ہے
سائیں کے ڈیرے پر شغل وشغب چلتا ہے، سب چلتا ہے

سستا مہنگا، اونچا نیچا، بھاؤ تاؤ کچھ بھی نہیں ہے
اس بازار میں تو بس ذوقِ طلب چلتا ہے، سب چلتا ہے

پل دو پل کی بات نہیں ہے صدیوں کا ہے خوف کوئی
جو آسیب کی طرح ہمارے عقب چلتا ہے، سب چلتا ہے

دھڑکن کی آواز تو ہی ہے، ہمدم تو، دمساز تو ہی ہے
کاروبارِ دل تو تیرے سبب چلتا ہے، سب چلتا ہے

شعر وسخن میں میر وغالب، فیض، فراز کی باتیں کیسی؟
ہمدؔم ان کے دم سے اردو ادب چلتا ہے، سب چلتا ہے

بنجر زمین سبز ہے بودش بغیر بھی
موجِ رواں ہے دشت میں بارش بغیر بھی

میں کیا کسی جمود کے چکر میں پڑ گیا
قسمت بدل گئی مری گردش بغیر بھی

کیا زلزلے سے بڑھ کے عجب حادثہ ہوا؟
اوندھے گرے زمین پہ لغزش بغیر بھی

سوچا تجھے تو مصرعۂ تر خود بخود ہوا
باندھا ترے خیال کو بندش بغیر بھی

غالب کا رنگ ، میر کا انداز ہے کسے؟
سوزِ سخن ہوا کبھی آتش بغیر بھی

بہر کرم ! حضور ﷺ نے ایسا کرم کیا
ہر کام ہو گیا مرا کوشش بغیر بھی

ہم نے تو ایک بات اڑائی تھی بس یونہی
کیوں سر کھجا رہے ہیں وہ خارش بغیر بھی

ایسے ہوس شعار نمازی کو کیا کہیں؟
جنت کا دعوے دار ہے بخشش بغیر بھی

پاسِ وفا ہے بیچ میں کوئی بھرم تو ہے
اچھا ہوا کہ دور ہیں رنجش بغیر بھی

فردا کی اونچ نیچ کا ادراک ہے مجھے
حالات جانتا ہوں میں جوتش بغیر بھی

خواہش کے بت کدے میں وہی خود پرست ہے
جس کو خدا ملا ہے پرستش بغیر بھی

پردے میں کھل رہے ہیں عجب خاک زاد ہم
بے باک ہو رہے ہیں نمائش بغیر بھی

مانا کہ آپ طاق ہیں لیکن جنابِ من!
کیجے نہ کام ! اور بھی ! سازش بغیر بھی

آسیب ہے کہ خاک نوردی درونِ دل
وحشت زدہ ہے گھر مرا یورش بغیر بھی

تصویر ہو گئی تھیں نگاہیں ہمارے بیچ
پلکوں پہ گفتگو رہی جنبش بغیر بھی

بس شرط یہ کہ بات میں تیری ہی بات ہو
دل مانتا ہے بات سفارش بغیر بھی

آئینۂ خیال بھی کیسا جمال تھا؟
ہم خواب دیکھنے لگے خواہش بغیر بھی

گاؤں کے لوگ اب مجھے پہچانتے نہیں
کس شہر کا ہوا ہوں رہائش بغیر بھی

یارب! مرے وطن میں بصیرت کی خیر ہو
بقراط میڈیا میں ہیں دانش بغیر بھی

غالبؔ نے پوچھا خواب میں ہمدمؔ وہی ہے نا!
کہتا ہے شعر وہ جو ستائش بغیر بھی

☆

آئنے کی آنکھوں سے آسماں گزارا ہے
ہم نے اپنے اندر سے اک جہاں گزارا ہے

کب جیے ہیں مرضی سے؟ کب ہماری چلتی ہے؟
زندگی کا ہر لمحہ ناگہاں گزارا ہے

حاصل محبت ہے زندگی کا سرمایہ
ایک پل جو قربت میں بے کراں گزارا ہے

ہر قدم جبیں رکھی ، مسندِ حسیں رکھی
ہر قدم پہ سجدوں کا آستاں گزارا ہے

شام کے دریچے میں خون کا الاؤ ہے
ہم نے کرب کا دریا خوں چکاں گزارا ہے

کوئی قیس بیٹھا ہے راستہ دکھانے کو
ریگ زار سے جس نے سارباں گزارا ہے

زندگی کا اک لمحہ رہ گیا تھا کونے میں
تو نے آ کے چاہت سے مہرباں گزارا ہے

ہم سے اپنے سائے کی وسعتیں نہ پوچھو جی!
ہم نے دھوپ نگری میں سائباں گزارا ہے

عشق تو اثاثہ ہے جو ملا وراثت میں
ہم نے اس روایت سے خانداں گزارا ہے

لامکاں عناصر سے کیا نمو د پائیں ہم؟
آگ اور پانی سے خاک داں گزارا ہے

ہجر کو حقیقت میں انتظار کہتے ہیں
پہلے تو نہیں لیکن بعد ازاں گزارا ہے

کربِ نارسائی کو کیسے جان پاؤ گے؟
تم نے درد کا موسم کب؟ کہاں؟ گزارا ہے

ہم بہار کے بندے ہنستے گاتے رہتے ہیں
ہم نے ہجر بھی اکثر بے خزاں گزارا ہے

دل بھٹکتا پھرتا ہے رائگاں سرابوں میں
کس نے میرے سینے سے یہ گماں گزارا ہے؟

ہر گھڑی ہواؤں سے ٹاکرا رہا اپنا
ہم چراغ لوگوں نے امتحاں گزارا ہے

روح جلتی رہتی ہے ، دھول اڑتی رہتی ہے
جسم کی تمازت سے کیا دھواں گزارا ہے؟

ہر قدم پہ مشکل ہے، دور کتنی منزل ہے؟
کس دیار سے ہمدؔم کارواں گزارا ہے؟

آئینۂ ادراک، حسیں خواب گزارا
کس جھیل کے پانی سے وہ مہتاب گزارا

قرطاس پہ تصویر بنائی نہیں گویا
احساس کے پیکر سے کوئی خواب گزارا

پتھر کی حویلی سے لپٹتے ہوئے روئے
خاشاک نشینوں نے وہ سیلاب گزارا

قسمت سے ہمیں وقت میسر جو ہوا ہے
بے تاب گزارا کبھی شاداب گزارا

ہم عام سے لوگوں کی طرح ٹلتے کہاں تھے؟
جس نے بھی گزارا ہمیں بے تاب گزارا

جھرنوں کا ترنم ہے مری وادیٔ جاں میں
کہسار کے سینے سے وہ خوش آب گزارا

خلیوں میں کسی کرب کا سیال بھرا ہے
یہ کس نے مرے خون سے تیزاب گزارا

دریائے محبت نے مجھے سیراب کیے ہے
پانی کی لکیروں سے جو پنجاب گزارا

خواہش کی زمیں پر بھی قدم لگتے نہیں ہیں
کس اوجِ تخیل پہ وہ سرخاب گزارا

پلکوں پہ ستارہ نہ کوئی اشک رکھا میں
آنکھوں سے کوئی گوہرِ نایاب گزارا

اس شہرِ خرابی سے گزرنا بھی ہنر ہے
جینا ہے تو بس کیجیے ! احباب گزارا

کردار نبھا کر ابھی اٹھے ہی تھے ہمدؔم
یہ کس نے کہانی سے نیا باب گزارا

یہی نہیں کہ رہِ محبت نگاہ تک ہے
دلوں کا رشتہ نباہ تک، رسم و راہ تک ہے

بھری عدالت میں کون میرے خلاف ہو گا؟
میں مدعی ہوں، مری وکالت گواہ تک ہے

سپاٹ لہجے میں شعر کہنا روا ہوا ہے
سخن تمامی نہ آہ تک ہے نہ واہ تک ہے

میں آستینوں میں اپنے دشمن کو جانتا ہوں
مری رسائی عدو کی جائے پناہ تک ہے

میں روشنی کا سفیر ٹھہرا مگر یہ کیا ہے؟
مری سحر کا چراغ شامِ سیاہ تک ہے

نہ دل کے صحرا کی وسعتیں کوئی پا سکے گا
سراب خانہ نظر کے گہرے گپھاہ تک ہے

کسی کا کردار سچ نہیں ہے، گمان ہے بس
محبتوں کا حسیں فسانہ نباہ تک ہے

میں تجھ کو دیکھوں کہاں؟ سمیٹوں، کہاں پہ رکھوں؟
مرا تخیل تو میری حدّ نگاہ تک ہے

سبب ہے رزقِ حلال کا یہ مسافرت بھی
مری کمائی بھی میرے گاؤں سے "واہ" تک ہے

مرے قبیلے میں سر جھکانے کی رسم کب تھی؟
یہ کج ادائی کا سلسلہ کج کلاہ تک ہے

کھنڈر کی وحشت نشانِ عبرت دکھا رہی ہے
خبر نہیں ہے یہ کس دیارِ تباہ تک ہے؟

یہ بدگمانی کا سانپ جیسا مہیب رستہ
یہ سلسلہ تو ترے کسی خیر خواہ تک ہے

درِ جنوں پر جو ٹوٹتے ہیں، تو جوڑتا ہے
ہماری شیشہ گری تری کارگاہ تک ہے

نظر نہ لگ جائے! چشم بدور! شاہ زادی!
سبھی کا ذوقِ نظر لباسِ سیاہ تک ہے

بلا تکلف! یہ خاص بسکٹ بھی لیجیے نا!
وگرنہ چائے کی یہ پیالی تو چاہ تک ہے

بڑھا رہی ہے یہ دادِ حرفِ جنوں ہمارا
عجب ہے رزقِ سخن میں برکت سراہ تک ہے

تری ہتھیلی کا رنگ بدلے گا دیکھ لینا
حسین مہندی کا رنگ چوکھا بیاہ تک ہے

رموزِ مرشد، مرید کا دل ہی جانتا ہے
ہمارے حجرے کی بات ہے، خانقاہ تک ہے

کوئی تو ہے جو نیاز مندی سکھا رہا ہے
یہ مکتب عشق بھی کسی درس گاہ تک ہے

میں اپنے حصے کی چھوٹی سڑکیں بنا رہا ہوں
مری ترقی کا راستہ شاہ راہ تک ہے

میں وصل کے پل نئے سرے سے جیوں گا لیکن
یہ موسمِ ہجر کا فسوں جانِ کاہ تک ہے

میں اپنی نسبت پہ ناز کرتا رہا ہوں ہمدم
مرے قبیلے کا نام ہی سربراہ تک ہے

احساس ہو تو آئنہ پیشِ نظر یوں ہی سہی
پچھلی گلی یوں ہی سہی ، اگلا نگر یوں ہی سہی

یہ فرض کرتے ہیں چلو کہ آئنے پر گرد ہے
یہ زاویے ، یہ دائرے زیر و زبر یوں ہی سہی

ہم بے گھروں کو کیا پڑی ؟ یوں جنگلوں میں جا بسیں
اس شہر سے اس شہر تک اپنا سفر، یوں ہی سہی

ٹوٹا ہوا میرا بدن ، شاید ترے کام آ سکے
مٹی اٹھا ، گارا بنا ، اے کوزہ گر ! یوں ہی سہی

تو بھی کہیں کھویا ہوا ، میں بھی کہیں بھٹکا ہوا
یہ کیا ہوا؟ کہنا پڑا ، اے ہم سفر ! یوں ہی سہی

کیا فائدہ پرواز کا؟ جب تو نہیں، کچھ بھی نہیں
کاٹے گئے ، نوچے گئے ، یہ بال و پر ، یوں ہی سہی

بے چینیاں ، بے تابیاں، کچھ بھی نہیں اوہام ہیں
یہ بے خودی ، یہ بے کلی ، اے چارہ گر! یوں ہی سہی

اچھا چلو! یہ سلسلہ رکھتے ہیں بس ہم خواب تک
حسنِ نظر ! رشکِ قمر ! نورِ سحر ! یوں ہی سہی

سوکھی ہوئی شاخیں مری گلشن پہ واری جائیں گی
بنجر بدن، بے برگ جاں، دل بے ثمر یوں ہی سہی

جو کچھ نہیں دیکھا گیا، دیکھیں کفِ ادراک سے
آنکھیں مری لے لیجیے ! اہلِ نظر ! یوں ہی سہی

اے راہبر! تو خوش رہے، تیرا سفر آسان ہو
بھٹکا رہے یہ قافلہ یوں در بدر یوں ہی سہی

تجھ کو سجن پرواہ کیا؟ سو پھر مجھے بھی چاہ کیا؟
مرتا رہے کوئی ادھر، کوئی ادھر، یوں ہی سہی

جذبِ دروں، ذوقِ جنوں، رنگِ فسوں، دل کا سکوں
تجھ کو اگر منظور ہے، جانِ جگر ! یوں ہی سہی

یوں اپنی اپنی بات پر قائم رہیں گے عمر بھر
تیرا "اگر" یوں ہی سہی، میرا "مگر" یوں ہی سہی

اے دھوپ نگری کے مکیں، بن جائے گی سورج زمیں
کٹ جائیں گے اس شہر کے سارے شجر یوں ہی سہی

یہ آرزو کا سلسلہ ہے دو دلوں کا رابطہ
ہر موڑ پر میں منتظِر ، تو منتظَر ، یوں ہی سہی

ہم ہی رہیں اس شہر میں یوں بے زباں ، یوں بے ہنر
اے معتبر! اے مقتدر! عالی قدر! یوں ہی سہی

اچھا سنو! یوں ہی سہی ، یہ داستاں کوئی اور ہے
تو اور ہے ، میں اور ہوں ، المختصر ! یوں ہی سہی

خونِ جگر کی خو رہے، قرطاس پر خوشبو رہے
ہمدؔم سخن کے پھول میں یہ حرفِ تر یوں ہی سہی

کسی بدن کو میسر نیا لباس نہیں
ہماری بانجھ زمینوں میں کیا کپاس نہیں؟

سماعتوں میں کمی ہے فرید لہجے کی
مگر یہاں کوئی شاعر کبیر داس نہیں

کسی کے پاس ہے دریا کی موج کوزے میں
کسی کی میز پہ ٹوٹا ہوا گلاس نہیں

یہ کیا ہوا؟ مرے رستے کی خاک چھانتے ہیں
وہ کیا ہے؟ جو کہ بگولوں کے آس پاس نہیں

کمال ہے! کہ ''فعولن'' کو ''فعل'' باندھتے ہیں
وہ ننگِ عشق، محبت کا جن کو پاس نہیں

عجیب ہے نا! کہ سپنے دکھاتے رہتے ہیں
وہ لوگ جن کی نگاہوں میں کوئی آس نہیں

یہ خشک ریت ازل سے یونہی جلی ہوئی ہے
ہمارے ہجر کے صحرا میں کوئی تاس نہیں

یہ میری سبز خیالی سراب ہے ورنہ
سرائے دشت کے ٹیلوں پہ کوئی گھاس نہیں

یہ بڑھ کے گردشِ دوراں کو روک سکتا ہے
جنوں محیط کے اندر فقط رداس نہیں

یہ اور بات کہ میں تشنہ کام رہتا ہوں
مرا تو ظرف سمندر ہے، مجھ کو پیاس نہیں

پون پون میں بہاروں کا رقص جاری ہے
ترے خیال کا موسم ہے، میں اداس نہیں

تمھارا شہر مٹھائی کا خاص مرکز ہے
مگر کسی کی زباں میں ذرا مٹھاس نہیں

جو آج سوچ رہا ہوں، وہ کل امر ہو گا
خیال و خواب کی دنیا فقط قیاس نہیں

قدم قدم پہ انھیں ہم زبان رکھنا ہے
ہمارے عہد کے بچے سخن شناس نہیں

کبھی کبھی میں حقیقت بیان کرتا ہوں
یہ میری تلخ نوائی مری بھڑاس نہیں

وگرنہ کون قبیلے پہ بات کرتا ہے؟
یہ المیہ ہے کہ تیری کوئی اساس نہیں

مری طلب ہے محبت کا پانچواں موسم
یہ سرد، گرم، بہار و خزاں سپاس نہیں

کہ تا کسی کی محبت میں خرچ ہو ہمدؔم
متاعِ عام رکھا دل متاعِ خاص نہیں

☆

کیا دیکھوں؟ کس موج میں آؤں؟ کیا کہتے ہو؟
اپنا پہلا شعر سناؤں! کیا کہتے ہو؟

کیا کہتے ہو؟ آئنے سے آنکھ ملاؤں؟
یا پھر خود پر سنگ اٹھاؤں؟ کیا کہتے ہو؟

آنکھوں کو تصویر کیا، تعبیر کیا ہے
پھر کیا دل کا حال سناؤں؟ کیا کہتے ہو؟

سارے گاما پادانی سا! چھیڑوں کیسے؟
اپنے من میں کیا کیا گاؤں؟ کیا کہتے ہو؟

اپنے آپ میں واپس آنا، مشکل ہے نا!
خاک سمیٹوں، نقش اٹھاؤں! کیا کہتے ہو؟

ہنستی گاتی یادیں کھڑکی میں کیا رکھوں؟
کمرے میں کیا منظر لاؤں! کیا کہتے ہو؟

دل کا سودا جان کے بدلے کر بیٹھا ہوں
اب اس کھیل میں کیوں پچھتاؤں؟ کیا کہتے ہو؟

خاک ہماری اک دوجے میں ڈھل سکتی ہے
کوزہ گر! کیا چاک گھماؤں؟ کیا کہتے ہو؟

کیا کوئی امکان دکھائی دے سکتا ہے؟
رستے میں پھر دیپ جلاؤں! کیا کہتے ہو؟

اندر کی دیوار نے پاؤں روک رکھے ہیں
کیسے گھر میں آؤں، جاؤں! کیا کہتے ہو؟

کب ممکن ہے؟ خواب کی صورت دیکھا جاؤں
اور کسی کے ہاتھ نہ آؤں! کیا کہتے ہو؟

جان بھی دے کر مردہ ٹھہروں، نام نہ پاؤں
ایسا نہ ہو کہ مارا جاؤں ! کیا کہتے ہو؟

تم نے کتنے پیار سے میرا دل رکھا ہے!
فرض ہے مجھ پر ناز اٹھاؤں ! کیا کہتے ہو؟

پتھریلی نوکیلی نظریں کیا دیکھیں گی؟
شیشے جیسے خواب دکھاؤں ! کیا کہتے ہو؟

ویسے ، تم جیسا بھی کوئی ہو سکتا ہے؟
تم جیسا کوئی اور بناؤں ! کیا کہتے ہو؟

مشکل سے دل ایک ہوا ہے جانِ ہمدؔم
کیسے اپنا آپ بھلاؤں؟ کیا کہتے ہو؟

☆

دل کی بات بتا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟
گویا آگ لگا دیتے ہو ! کیا کہتے ہو؟

اتنے پیار سے کہہ دیتے ہو! رک جاؤ نا!
زنجیریں پہنا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

آنے والے کل پر بات اٹھا رکھتے ہو!
اچھا وقت گنوا دیتے ہو ! کیا کہتے ہو؟

اسم کوئی پڑھتے ہو! اسرافیلی ہو کیا؟
دل میں حشر اٹھا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

اشک چھپا کر ہنس دیتے ہو، خوش دکھتے ہو!
یہ کیا؟ خود کو سزا دیتے ہو؟ کیا کہتے ہو؟

طاری کر دیتے ہو کیسا دیوانہ پن؟
اپنا رنگ جما دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

خواب گری میں دیدہ ور ہو، کوزہ گر ہو
بگڑے نقش بنا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

دیپک راگ میں ایسا لہجہ، ایسی باتیں
بجھتے دیپ جلا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

تم نے دی ہے موجِ غزل میں تازہ کاری
روز اک حرف نیا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

خشک لبوں پر آس کا دریا تھم جاتا ہے
ساری پیاس بجھا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

حرف کا سینہ پھٹ جاتا ہے، کٹ جاتا ہے
کتنے اشک بہا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

بعض اوقات بڑھا دیتے ہو میرا سایہ
خاک فلک سے ملا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

ہلکی سی مسکان لبوں پر کھل جاتی ہے
سب کا مان بڑھا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

لمس کی مہر لگا دیتے ہو خاموشی پر
سرد رتوں کو ہوا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

ہمدؔم بامِ حرف پہ تارے اگ آتے ہیں
کیسا شعر سنا دیتے ہو! کیا کہتے ہو؟

آبلہ پائی میں ہم دریدہ رہے
پا بریدہ ہوئے، سر کشیدہ رہے

اختیار ہم نے کی عشق میں بندگی
سر بہ سجدہ ہوئے، سر خمیدہ رہے

ہم نے صحرا سے دریا کشیدہ کیے
خشک بنجر میں بھی ہم نمیدہ رہے

جن کو دستار سونپی گئی شہر میں
ہم سخن، ہم نوا، ہم قصیدہ رہے

آئنے کی طرح حرف کھلتے رہیں
پیش منظر نظر کا جریدہ رہے

داستاں لکھ چلا ہوں محبت بھری
یہ کہانی مسلسل شنیدہ رہے

خواب در خواب آنکھیں الجھتی رہیں
زندگی خواہشوں کا ملیدہ رہے

دسترس میں ہے جو ساتھ لیتے چلو!
جانے کس موڑ پر نارسیدہ رہے

خارزاروں نے دامن بچائے رکھا
شاخِ گل پر ہمیں سر بریدہ رہے

عشق پر میرا ایمان کامل ہوا
بندگی ہے محبت، عقیدہ رہے

ہم نے خوابِ سحر کو ستارہ کیا
دیر تک راہ میں شب گزیدہ رہے

ختم کرنا پڑیں گی یہ مایوسیاں
کیوں طبیعت ہماری کبیدہ رہے

دل تو دل ہے اسے ذوقِ پرواز ہے
یہ پرندہ مری جاں پریدہ رہے

آئینے سے بھی ہمدؔم رہی گفتگو
اور خود سے بھی دیدہ بہ دیدہ رہے

☆

دِل کے صحرا میں سرابوں کو دمیدہ رکھا
کتنی آنکھوں نے مجھے خواب گزیدہ رکھا

جوہرِ خاص مرے جسم کے اندر رکھے
پھر سرِ آب مجھے خاک رسیدہ رکھا

جان دی ماں نے جسے دنیا میں لاتے لاتے
جانے کیوں باپ نے نام اس کا سعیدہ رکھا

دستکیں دیں نہ کبھی غیر کے در پر ٹھہرے
ایک سجدے میں دل و جاں کو خمیدہ رکھا

ہجر کی آگ میں جلنا کوئی آساں بھی تھا؟
کشتۂ جاں میں محبت کا ملیدہ رکھا

اٹھتے ہاتھوں میں کوئی دستِ مسیحا بھی ہو
بس یہی سوچ کے دامن کو دریدہ رکھا

میں تو بھٹکا ہوا انسان تھا، مارا جاتا
شکریہ! عشق سے مجھے تو نے ہی سیدھا رکھا

طاق در طاق جلائے ہیں محبت کے چراغ
مطلعِ صبح لبِ بام کشیدہ رکھا

بعد مدت کے تری یاد کا بادل برسا
نم رہی آنکھ سے مجھے اور نمیدہ رکھا

اتنے لوگوں میں تجھے ہاتھ سے جانے نہ دیا
دھاندلی کر کے ترا نام چنیدہ رکھا

تیری آواز کو تصویر میں تحلیل کیا
تجھ کو دیکھا نہ یونہی تجھ کو شنیدہ رکھا

دل خرابے میں کبھی لوٹ کے واپس نہ گیا
کن فضاؤں نے طبیعت کو کبیدہ رکھا

اب تو اٹھتی بھی نہیں آنکھ کسی کی جانب
خواہشِ جاں نے کئی سال ندیدہ رکھا

حرف آزاد ہوا، پھر بھی غزل کی صورت
زیبِ قرطاس وہی پہلا قصیدہ رکھا

اب وہی وصل کے موسم کا نشہ مانگتا ہے
جس نے اک عمر سے مجھے ہجر گزیدہ رکھا

کس نے محدود کیا جشنِ بہاراں ہمدمؔ
سبز ہوتی ہوئی شاخوں کو بریدہ رکھا

کون کہتا ہے کہ ناکام رہا ہے ہمدمؔ
جس نے دنیا میں محبت کا عقیدہ رکھا

☆

سورج مزاج لوگ، مرے یار! گرم ہیں
گھر جل رہا ہے، کیوں درو دیوار گرم ہیں

جو آئنے سے ہو کے نمودار گرم ہیں
وہ زندگی سے بر سرِ پیکار گرم ہیں

خبریں اگل رہی ہیں شراروں میں تلخیاں
یہ کیا ہوا؟ کہ شہر کے اخبار گرم ہیں

کچھ تو ابل پڑے ہیں سرِ بزم سامنے
جو سامنے نہیں، پسِ دیوار گرم ہیں

گھر کا معاملہ ہے، کوئی مسئلہ نہیں
اپنوں کے ساتھ ساتھ کیوں اغیار گرم ہیں

پانی سے دل کی آگ بجھانے کے شوق میں
دو چار ٹھنڈے پڑ گئے، دو چار گرم ہیں

بارش بھی ہو چکی ہے، ہوائیں بھی تھم گئیں
بجھتے ہوئے چراغ لگاتار گرم ہیں

پہلے سی وہ بہار، وہ چھاؤں نہیں رہی
کٹنے کے خوف سے ہرے اشجار گرم ہیں

انسان بک رہے ہیں ٹماٹر کے بھاؤ میں
منڈی عروج پر، مرے بازار گرم ہیں

خاموش سو رہی ہے شرافت پڑی ہوئی
لیچڑ، لفنگ، حاشیہ بردار گرم ہیں

جن کو ملے ہوئے ہیں لفافے بھرے ہوئے
جیبیں ہیں گرم ان کی، اداکار گرم ہیں

وہ جن کی بات بات میں دل کا سکون تھا
یہ کیا ہوا کہ آج وہ منٹھار گرم ہیں

شام و سحر کے ساتھ ہے دنیا جڑی ہوئی
سرگرمیِ حیات کے کردار گرم ہیں

کیا میں نے کچھ کہا؟ کہ طبیعت خراب ہے
کیا ہو گیا ہے؟ آپ کیوں؟ سرکار گرم ہیں

ایسی گھٹن تو حبس میں دیکھی نہ تھی کبھی
موسم بتا رہا ہے کہ آثار گرم ہیں

وحشت عروج پر ہے جنونِ وصال کی
حرّافہ ء خیال کے رخسار گرم ہیں

توڑا ہے یوں کمال سے مجھ کو تو کوزہ گر!
جلدی سے کچھ بنائیے ، اوزار گرم ہیں

مجھ پر کفِ حیات کا عقدہ نہ کھل سکا
میں سرد ہو رہا ہوں ، عزادار گرم ہیں

ہر موڑ ، ہر گلی ہے ، عدالت لگی ہوئی
انصاف ہو رہا ہے ، خطا کار گرم ہیں

کر دیں گے ذکر آپ کا اگلے خطاب میں
خاموش بیٹھیے ، ابھی سالار گرم ہیں

یارب ! مرے خیال کے گلشن کی خیر ہو
پھولوں کی شعلگی میں کئی خار گرم ہیں

ہمدؔم ترا کلام ہے کیا ؟ لطف ہی نہیں
جھوٹی کہانیاں ہیں نہ کردار گرم ہیں

کیا ہو گیا ہے آج دبستانِ سرد کو
ہمدؔم ہر اک زبان پہ اشعار گرم ہیں

خواہشِ دید، مری عید مبارک رکھنا
اے مری عید، مری عید مبارک رکھنا

یاد رکھنا ! مرے جینے کا سہارا تو ہے
میری امید، مری عید مبارک رکھنا

تجھ کو دیکھوں تو سدا شاد، میں آباد رہوں
جلوہء عید، مری عید مبارک رکھنا

جذبۂ عشق سلامت، یہ ملاقات رہے
ہے یہی عید، مری عید مبارک رکھنا

ملنے جلنے کی لکیریں نہ مٹانا ہرگز
شہرِ تجرید، مری عید مبارک رکھنا

کلمہ ٔ جاں کی حقیقت پہ سبھی کو ملنا
اہلِ توحید، مری عید مبارک رکھنا

میری آوارہ مزاجی پہ کوئی داغ نہ ہو
رسمِ ژولید، مری عید مبارک رکھنا

انگلیاں مجھ سے ملاقات پہ اونچی بے شک!
اہلِ تنقید، مری عید مبارک رکھنا

دل کی تہذیب یہی ہے کہ روایت میں رہے
نقشِ تقلید، مری عید مبارک رکھنا

یہ محبت ہے مری سینہ بہ سینہ یوں ہی
بہرِ تجدید، مری عید مبارک رکھنا

میرا پیغام محبت ہے، اجالے رکھنا
میرے خورشید، مری عید مبارک رکھنا

رسم کہتی ہے انا زاد رہوں میں ہمدمؔ
دل کی تاکید، مری عید مبارک رکھنا

☆

تھوڑی سی زندگی میں یہ بندھن قبول ہے
دل میں جو بس رہی ہے وہ دھڑکن قبول ہے

ورنہ یہ بارشیں بھی کسی کام کی نہیں
بھیگیں جو سنگ تو ساون قبول ہے

بیلوں کے تال میل سے گھر ہے سجا ہوا
دالان کی فضا کو یہ الجھن قبول ہے

پوچھا جو بار بار تو دل نے یہی کہا
ساجن قبول ہے، مجھے ساجن قبول ہے

دامن تو کیا وجود کے اندر بھی سانپ ہیں
ایسی فضائے شہر میں دشمن قبول ہے

بھاگوں میں ان کی اور جو پکڑی نہ جا سکیں
کن تتلیوں کو پھر مرا بچپن قبول ہے

خواہش کے آسمان سے آگے تو گھر بنا
مجھ کو مرے نصیب کا آنگن قبول ہے

تیرے بغیر کٹ تو گئی زندگی فضول
گزرے جو تیرے سنگ وہ جیون قبول ہے

کیسے فقیہہ شہر کی بیعت کرے کوئی
قولاً قبول ہے نہ جو فعلاً قبول ہے

ڈاکو غریبِ شہر پہ ہے مہرباں بہت
قحط الرجال میں جسے رہزن قبول ہے

وحشت عروج پر ہے ، سو راہِ فرار دو
دیوار گر نہیں ہے تو روزن قبول ہے

وہ لمس تیرے ہاتھ سے پہنچا ہے چارہ گر!
ہو کر بھی چاک چاک یہ دامن قبول ہے

مارا گیا ہوں جبر کے پہلے ہی وار میں
دارِ وفا کو کب مری گردن قبول ہے

ہنس کر بلا رہی ہے مجھے پھر سے زندگی
اے رفتگاں! مجھے مرا بچپن قبول ہے

پہنوں گا روشنی بھی میں ہو کر دھواں دھواں
بجھتے ہوئے چراغ کی اترن قبول ہے

چوپال کہہ رہی ہے بزرگوں کی داستاں
برگد کی چھاؤں میں یہی آنگن قبول ہے

کچھ دے دلا کے پوچھ ہی لیں گے سراغِ راہ
راہبر اگر نہیں ہے تو رہزن قبول ہے

کم ظرف مطمئن کبھی ہوتا نہیں مگر
ہر حال اہلِ ظرف کو جیون قبول ہے

ویسے تو آہِ سرد ہے کافی مگر مجھے
جلنے کو تیری یاد کا ایندھن قبول ہے

ایسے نہ زہر گھول کے ہمدمؔ غزل سنا
اہلِ سخن سے پوچھ کہ ناگن قبول ہے؟

مانگا ہے ترے در پہ ترے ہاتھ مطابق
ہو چشمِ کرم اور مری ذات مطابق

رکھا ہے جسے خواب میں حالات مطابق
دن روز نکلتا ہے مری رات مطابق

یہ طرزِ ملاقات بھی دنیا سے ملی ہے
ہر ایک سے ملتا ہوں میں اوقات مطابق

اک پیڑ محبت کا لگاؤں گا میں گھر گھر
اک شہر بناؤں گا میں دیہات مطابق

یہ رزقِ سخن میری ریاضت ہی نہیں ہے
لکھتا چلا جاتا ہوں میں جذبات مطابق

یونہی تو مرے یار سٹیٹس نہیں بنتا
معیارِ ترقی ہے کمالات مطابق

آسیب کی صورت ہے کہ سایہ مرے پیچھے
اک خوف سا رہتا ہے جو خدشات مطابق

برفاب چناروں پہ پگھلنے کا سماں ہے
کھل جائیں گے ہم اور ملاقات مطابق

کم کم ہی گزرتے ہیں مگر دل کی گلی سے
ملتے ہیں کئی لوگ بھی عادات مطابق

انکار کی دیوار پہ میں ڈٹ کے کھڑا ہوں
یہ بادِ مخالف ہے مری بات مطابق

ٹوٹا ہوں مگر ٹوٹ کے بکھرا تو نہیں ہوں
جیتا ہے بھلا کون مری مات مطابق

صدیوں کی کہانی ہے میاں! میری زبانی
یہ سارا فسانہ ہے حکایات مطابق

گرتی ہوئی دیوار اٹھانی ہی پڑے گی
ہے شہر کی تعمیر خرابات مطابق

اے دل یہ تڑپنا ترا معمول نہیں ہے
لاحق ہے تجھے عشق، علامات مطابق

جچتا ہے بھلا کون مرے ذوق نظر کو؟
دنیا ہے کہاں میرے خیالات مطابق؟

موسم کے بدلتے ہی نئے پھول کھلیں گے
باقی ہے ابھی موجِ نمو، پات مطابق

سیلاب کناروں سے سنبھالا نہیں جاتا
پانی مرے دریا میں ہے برسات مطابق

جدت کا تقاضا ہے پرانا بھی نیا کر
تاریخ بنا اپنی روایات مطابق

کرنا ہے ابھی مجھ کو سفر اور زیادہ
ہے پاؤں کی رفتار مقامات مطابق

لو! شیر بنو! تم پہ مکافات عمل ہے
کردار تمھارا ہے اسی لات مطابق

مرکز سے ابھی دور بہت دور ہے ہمدمؔ
شاعر تو وہ اچھا ہے مضافات مطابق

زرد رتوں میں جلتے بلتے آ ہی گئی ہے تبدیلی
کتنے دنوں سے ڈھونڈ رہے تھے دھوپ البیلی رنگیلی

کہساروں سے دور ہے لیکن میرے شہر کی گلیوں میں
گھر کا رستہ کاٹ رہی ہے سرد مزاجی برفیلی

خواہش کی تتلی کے پیچھے بھاگ رہے تھے سارے لوگ
میرے پاؤں آن پڑی تھی اور ہی دنیا چمکیلی

آئنے سے آنکھ ملا کر یہ کیا دیکھتے رہتے ہو؟
حیرت کے امکان سے پہلے ہر صورت ہے پتھریلی

آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں جھلمل موجیں پانی میں
جھیل کنارے شوخ بدن تھے، جل پریاں تھیں شرمیلی

بجھتے دیے کی آس بنوں یا ہجر میں سگریٹ سلگاؤں
رات اندھیری اور باقی ہے ماچس میں بس اک تیلی

ایک قدم آگے بڑھتا تھا، چار قدم سایہ پیچھے
میرے پاؤں روک رہی تھی ہجرت کی رہ نوکیلی

جانے کیوں؟ میں نے کیوں کر خود کو اتنا پابند کیا؟
سوچیں تھیں آزاد مری اور زنجیریں ڈھیلی ڈھیلی

کس کو فرصت؟ مے خانے میں جائے، مہنگا جام پیے
مفت میسر آنکھیں تھیں، سو مستی جی بھر کر پی لی

دامن کے ہر اک پیوند پہ انگلی اٹھتی ہے
چاک گریبانوں نے اپنی چادر کیا سی لی

اب کے خود کو زہریلا انسان بناؤں گا میں کیا؟
چاک پہ کیسی خاک رکھی ہے زہر بجھی نیلی پیلی

کیسے بتائیں ؟ جانِ ہمدؔم ، کون سا میوہ چکھا ہے؟
ایک محبت شکریلی ہے ، ایک محبت زہریلی

میز پر رکھا رہا گل دان میرے سامنے
تتلیوں سے بھر گیا دالان میرے سامنے

نقش جب کھنچے گئے، آنکھیں مری پتھر میں تھیں
آئنہ کھولے گا کیا؟ امکان میرے سامنے

دسترس میں رہ کے بھی وہ مجھ سے کتنا دور ہے؟
کس قدر مشکل ہوئی آسان میرے سامنے

سب کو دیکھا، دیکھ کر، پہنچا میں اپنے آپ کو
کھل گیا ہے آخری انسان میرے سامنے

مشکلیں حد سے بڑھیں، جینا مگر آساں ہوا
کب؟ کہاں؟ ٹھہرا کوئی بحران میرے سامنے

آگہی کا رنگ پھیلا شام تا نورِ سحر
خواب کی صورت رہا وجدان میرے سامنے

کب کوئی پہچانتا ہے خاک سے نکلا ہوا
کھو گئی جانے کہاں؟ پہچان میرے سامنے

ڈھل چکا ہے شہر میں لیکن وہی تہذیب ہے
ایک جنگل تھا کبھی سنسان میرے سامنے

کہہ رہی تھی وہ سراپا شاعری تازہ غزل
کھل رہا تھا جون کا دیوان میرے سامنے

اک جہاں کو چھوڑ کر اگلے جہاں رکھا قدم
سج گیا اک اور ہی میدان میرے سامنے

کارواں کی دھول میں لٹتی رہی ہیں منزلیں
کتنی خوشیاں ہوگئیں قربان میرے سامنے

ایک دم پر کیا بھروسہ؟ وقت پر کیا زور ہے؟
زندگی ہے چار دن مہمان میرے سامنے

دائرے کچھ بن رہے، کچھ زاویے ٹوٹے ہوئے
پیش منظر ہے، یہی سامان میرے سامنے

کتنی مشکل سے جمے تھے پاؤں میرے اوج پر
پھر اچانک آ گئی ڈھلوان میرے سامنے

کون ہے جو زندگی کے کھیل میں ہارا نہیں
کون باندھے گا نیا پیمان میرے سامنے

وصل کا اک پھول بھی میرے مقدر میں نہ تھا
ہجر کی بیلیں چڑھیں پروان میرے سامنے

چار عشروں سے کہانی دیکھتا آیا ہوں میں
کون سا کردار ہے بھگوان میرے سامنے

مصلحت کو چھوڑ کر نکلا تھا میں اک بھیڑ سے
پاؤں میں زنجیر ہے، زندان میرے سامنے

چشم دیدہ زندگی کی ، ہر گواہی مجھ سے ہے
ہو رہا ہے، کیا ہوا؟ ہر آن میرے سامنے

موجۂ بحرِ کرم پھیلی تھی تا حدِّ نگاہ
کھل رہی تھی سورہء رحمن میرے سامنے

کھینچ کر سینے سے میرا دل اڑا کر لے گئی
کر گئی پرواز میری جان میرے سامنے

عشق سے لبریز ہے ہمدؔم مرا رزقِ سخن
کھیت میرے سامنے، کھلیان میرے سامنے

ہر دیکھنے والے کی نگاہوں کا ہدف میں
آئینۂ ایام! ترے چاروں طرف میں

کردار فسانے میں مرا یوں تو نہیں تھا
یہ کیا؟ کہ ہوا ساری کہانی سے حذف میں

اے سیدِ اصنافِ سخن! میری غزل تو
آنکھوں سے لگاؤں گا تجھے درِّ نجف میں

یہ تلخ نوائی تجھے ورثے میں ملی ہے
ہاں! خوب سمجھتا ہوں تجھے ابن خلف میں

شیشے کی دکانوں میں گراں سنگ پڑے تھے
بازار سے لایا ہوں کہاں سودا سلف میں

دکھتے ہیں ستارے جو تری لوحِ جبیں پر
چنتا ہوں کنائے سے وہی چند صدف میں

صحرا میں دکھاتا ہوا منزل کا ستارہ
کس آبلہ پائی میں چلا گرد بہ کف میں

پہلے ہی وراثت میں کئی روگ لیے ہوں
کیا اور بناؤں گا یہاں نقشِ سلف میں

بیٹھا ہے مصلّے پہ لیے زہر کا خنجر
اک روز الٹ دوں گا ریاکار کی صف میں

ہاں! میری رگ جاں میں بھی نسبت کا نمک ہے
رکھتا ہوں قبیلے سے محبت کا شرف میں

نیت سے یہی ایک عبادت مرے سر ہے
کر دوں گا کسی نعت کو اعمال سے لف میں

اے کاش مدینے کو روانہ کبھی ہوتا
سرکار کی مدحت میں بجاتا ہوا دف میں

کہنے کو کئی شعر ہیں پر کہہ نہیں سکتا
کر دیتا ہوں احساس کی دولت کو تلف میں

اے چشم غزل زاد مجھے زیبِ سخن کر
بے کار ہی رہ جاؤں نہ لکھا ہوا رف میں

اترا ہوں کہاں حرف کے ادراک میں ہمدمؔ
کرتا ہوں سرِ موجِ غزل شغل و شغف میں

☆

سرِ آئینہ، پسِ آئنہ، مری آگہی گھڑی دو گھڑی
یہی بے خودی، یہی بے کلی، یہی زندگی گھڑی دو گھڑی

سرِ بارگاہِ دیارِ دل، تری دید ہے مری بندگی
مرے پیر جی، مرے سیدی، مرے مرشدی گھڑی دو گھڑی

نہ خیال ہے، نہ جمال ہے، نہ کمال ہے کسی اور کا
ترے دم سے ہے جو قدم قدم کوئی روشنی گھڑی دو گھڑی

مرا حرف تو، مرا لفظ تو، مرا قافیہ و ردیف تو
مرا شعر تو، مری نظم تو، مری شاعری گھڑی دو گھڑی

یہی عین ہے، یہی شین ہے، یہی قاف ہے، یہی عشق ہے
مری زندگی کا نصاب ہے، یہی دل لگی گھڑی دو گھڑی

مری دھڑکنوں میں پون پون وہی خاص لے سے رواں دواں
ترے ہاتھ سے جو کلائی پر گھڑی باندھ لی گھڑی دو گھڑی

مرے ہم نوا، مرے ہم سفر، مرے ہم قدم، رہے عمر بھر
کسی موڑ پر بھی نہ ہم ہوئے کبھی اجنبی گھڑی دو گھڑی

یہ جو خال و خد کی حدود ہے، یہ دل و نظر کی نمود ہے
وہ نمود جس کا سرود ہے تری سادگی گھڑی دو گھڑی

ترے شہر سے مرے شہر تک جو صبا چلی، جو فضا کھلی
ترے رنگ میں، تری موج میں، کھلی ہر کلی گھڑی دو گھڑی

وہ حجاب تھا کہ سراب تھا مرے سامنے کوئی خواب تھا
وہی جھیل تھی، وہی چاند تھا، وہی جل پری گھڑی دو گھڑی

یہی مختصر سی ہے داستاں، مرے رفتگاں، مرے ہم رہاں
ذرا دیر کو مری زندگی مرے سنگ تھی گھڑی دو گھڑی

کسی رمز میں، کسی کشف میں، کسی برگ میں، کسی پات میں
مرے خوش نظر، مرے ماہ رو نظر آ کبھی گھڑی دو گھڑی

کوئی نقش تھا جو اٹھا نہیں، کوئی عکس تھا جو کھلا نہیں
کوئی خواب تھا جسے دیکھتا ہی رہا کوئی گھڑی دو گھڑی

وہی صبح سی مری ہم سفر، وہی شام سی تھی نظر نظر
مرے سر پہ تھا ترا سائباں، تری دھوپ تھی گھڑی دو گھڑی

وہی رنگ ہے، وہی انگ ہے، وہی ڈھنگ ہے مری خاک میں
ترے چاک پر، ترے ہاتھ سے جو نمو ملی گھڑی دو گھڑی

نہیں مستقل کوئی سلسلہ، کبھی وصل ہے، کبھی ہجر ہے
تری بے رخی گھڑی دو گھڑی، تری دوستی گھڑی دو گھڑی

ترا ذکر ہے، تری فکر ہے، تری یاد ہے، ترا نام ہے
مرے ہمدما، کبھی دیکھ لے مری ڈائری گھڑی دو گھڑی

کیا تماشا ہے؟ یہ کس کی دھوم ہے؟ معلوم ہے؟
دھڑکنوں کے ساز پر کیا بوم ہے؟ معلوم ہے؟

در بہ در کھلنے لگا ہے آئنہ پیشِ نظر
دور تک پھیلا جہاں معدوم ہے، معلوم ہے؟

خواب سے باہر نکل کر کون ہے آیا ہوا؟
جسم سے لپٹا ہوا بیڈ روم ہے، معلوم ہے؟

گردشِ ایام کے چکر ابھی سمجھا نہیں
عشق بے چارہ، بڑا معصوم ہے، معلوم ہے؟

زندگی کو دیکھیے میرے تئیں، اپنے قریں
زندگی کا بس یہی مفہوم ہے، معلوم ہے؟

آئینے سے آنکھ تک ہے راستہ دیکھا ہوا
یہ سفر معلوم سے معلوم ہے، معلوم ہے؟

ظلم پرور بے حسی کی لہر میں ہے آدمی
کوئی ظالم ہے، کوئی مظلوم ہے، معلوم ہے؟

اس قبیلے میں محبت نے نہیں رکھا قدم
بے وفائی کرنے والا شوم ہے، معلوم ہے؟

ریت اور فولاد کے جنگل میں کچھ پودے لگا
شہر کی آب و ہوا مسموم ہے، معلوم ہے؟

حاشیہ تحریر کا ادراک سے ملتا نہیں
ہجر ہی قرطاس پر مرقوم ہے، معلوم ہے؟

حرف کیا ہے؟ شعر کیا ہے؟ نظم کیا؟ کیسی غزل؟
داستانِ دل سے کیا موسوم ہے؟ معلوم ہے؟

بے چراغی میں کوئی سجھتا نہیں، دکھتا نہیں
خواب کا امکان تک موہوم ہے، معلوم ہے؟

دائرہ در دائرہ و زاویہ در زاویہ
ایک ہی نقطہ مرا مقسوم ہے، معلوم ہے؟

بے کراں پھیلا ہوا، بے ربط سا، بے کار سا
یہ ہجومِ شہر بھی مشؔ روم ہے، معلوم ہے؟

کون ہے؟ جو جاگتا ہے، خارزاروں پر میاں!
کون ہے؟ جو خواب سے محروم ہے، معلوم ہے؟

عشق کارِ بے خودی ، اپنی نہیں چلتی کوئی
اس جگہ کارِ نفس مذموم ہے، معلوم ہے؟

اے دلا ! جذبِ دروں بن کچھ نہیں ہے، کچھ نہیں
عشق تجھ پر لازم و ملزوم ہے ، معلوم ہے؟

جانِ ہمدَم ہے، سراپا شاعری، جانِ غزل
مصرعۂ تر میں وہی منظوم ہے، معلوم ہے؟

☆

جھوٹے ہیں کردار ، فسانے جھوٹے ہیں
کہتے ہیں کچھ لوگ سیانے جھوٹے ہیں

مرضی کی تاریخ لکھی ہے لوگوں نے
صدیاں جھوٹی اور زمانے جھوٹے ہیں

ساری باتیں سنی سنائی باتیں ہیں
جدّت میں اظہار پرانے جھوٹے ہیں

کون کسی کی خاطر جاں دے سکتا ہے
چھوٹے موٹے عہد نبھانے جھوٹے ہیں

عشق اگر سچا ہے تو مجبوری کیا؟
معذوری ہے جھوٹ ، بہانے جھوٹے ہیں

نفرت بو کر پیار کا پھل کب آتا ہے؟
اس کھیتی میں سارے دانے جھوٹے ہیں

بدلا ہے معیار ہماری بستی کا
کیونکر سچے لوگ نجانے جھوٹے ہیں؟

سچے ہیں کچھ لوگ جو شہر پہ قابض ہیں
ہم جیسے کچھ لوگ نمانے جھوٹے ہیں

بدلے ہیں سارے انداز شکاری نے
جال پرانے، تانے بانے جھوٹے ہیں

سچے لوگ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں
قبروں میں مردے دفنانے جھوٹے ہیں

کتنے ہی ہونٹوں کی مینا کاری ہے
جھوٹے ساقی اور پیمانے جھوٹے ہیں

کچھ نہ کچھ تو راز کھلا ہے مستی میں
تو کیا یہ سارے دیوانے جھوٹے ہیں

جھوٹ ہمیں کب شہر میں اچھا کہتا ہے؟
یہ ناز و انداز اٹھانے جھوٹے ہیں

جھوٹوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں
کوئی مانے یا کہ نہ مانے جھوٹے ہیں

لگتا ہے کہ دال میں کچھ کچھ کالا ہے
اجلے دستر خوان ہیں، کھانے جھوٹے ہیں

کس کا ظرف ہے؟ کب کوئی پی سکتا ہے؟
جھوٹی مینا اور مے خانے جھوٹے ہیں

لڈو کا ہے کھیل ہمارا جیون بھی
جھوٹے پانسے، سارے خانے جھوٹے ہیں

صاف پتہ چلتا ہے قاتل چہروں کا
ہاتھوں پر مومی دستانے جھوٹے ہیں

سرمایہ اعداد کا گورکھ دھندا ہے
خالی ہے کشکول، خزانے جھوٹے ہیں

جھوٹی موٹی حرف کہانی میں ہمدم
دنیا کو کچھ لوگ دکھانے جھوٹے ہیں

میں اپنے آپ مقابل ہوں، مسئلہ یہ ہے
سمجھ میں آ نہیں سکتا کہ آئنہ یہ ہے

پھر اس کے بعد مجھے نفرتوں نے گھیر لیا
میں جی رہا تھا محبت میں، واقعہ یہ ہے

چلو پلان بناتے ہیں زندگی کے لیے
یہ طے ہوا کہ زمانے کا سلسلہ یہ ہے

میں اپنے خیمۂ جاں سے نکلنے والا تھا
کوئی کہیں سے پکارا کہ دائرہ یہ ہے

وگرنہ قد کے مطابق یہ آسماں کب تھا؟
کھڑا ہوں اپنے ہی پاؤں پہ معجزہ یہ ہے

بھٹک چلا ہے مرا قافلہ خرابے میں
کوئی تو آ کے سمجھائے کہ راستہ یہ ہے

جہاں سے بات چلی تھی وہیں پہ آ پہنچی
کہانی پھر سے شروع ہے، سو خاتمہ یہ ہے

یہ حرفِ اشک بہ ذکرِ فرات نکلا ہے
غمِ حسینؓ میں رولوں کہ مرثیہ یہ ہے

میں اپنے آپ سے ملنے بھی آ نہیں سکتا
کوئی نہیں ہے شبستاں میں، تخلیہ یہ ہے

یہ بات دل سے چلی تھی زبانِ دلّی میں
سخن کے باب میں غالب کا ریختہ یہ ہے

یہ کون لوگ؟ کہاں سے؟ کدھر سے آئے ہیں؟
مرے جہاں پہ فرشتوں کا تبصرہ یہ ہے

عجیب شور شرابہ ہے میری سڑکوں پر
ہجوم چلنے لگا ہے کہ قافلہ یہ ہے

سنا ہے میر کے لہجے میں ہے مری اردو
مری زبان مری ہے نہ ذائقہ یہ ہے

سفید رنگ سے لکھی ہے امن کی آشا
چلو عدو کو بتائیں کہ فاختہ یہ ہے

جو بات لکھی ہے بین السطور، سمجھی ہے
کھلا نہیں ہے کسی پر جو حاشیہ یہ ہے

سخن ہے سبز، محبت غزل ہوئی ہمدؔم
ردیف بول رہی ہے کہ قافیہ یہ ہے

میں نے بھی محبت کی ، تم نے بھی محبت کی
پہلی بار ہی ہم نے آخری محبت کی

ایک پل ادھر بھی تھا ، ایک پل ادھر بھی تھا
زندگی بہت کم تھی ، دو گھڑی محبت کی

اپنے دل کی دھڑکن پر زور کس کا چلتا ہے
ہو گئی محبت ، بس ، ہو گئی ! محبت کی

پیار کی حقیقت کو اور کوئی کیا جانے
میں نے ایک صورت سے اور ہی محبت کی

دیکھنا بھی چاہے تو دیکھ ہی نہیں سکتی
سر جھکائے رہتی ہے سادگی محبت کی

ایک ہی کہانی کو روز روز پڑھتا ہوں
یوں سنبھال رکھی ہے ڈائری محبت کی

آب دار ہونٹوں پر اک چراغ اترا ہے
آج پھر نگاہوں نے شبنمی محبت کی

ایک ہی وظیفہ ہے صبح و شام کرتا ہوں
خود پہ فرض کر لی ہے بندگی محبت کی

یوں کرو چراغوں کو تم اٹھا کے لے جاؤ
میرے گھر میں کافی ہے روشنی محبت کی

بے قرار دھڑکن ہے، چین کیوں نہیں پڑتا
مجھ کو مار ڈالے گی بے کلی محبت کی

اس کے بعد کا منظر چاند جانتا ہے بس
جھیل میں اترتی ہے جل پری محبت کی

مجھ کو اپنے گلشن سے پیار تھا بہت لیکن
جس طرف پرندوں کی ڈار تھی محبت کی

یار ! کچھ بتاؤ تو ، کچھ سمجھ نہیں آتا
کون کون سنتا ہے ؟ ان کہی محبت کی

عین شین سے نکلا قاف بھی گنوا بیٹھا
جس کسی نے دنیا میں دوسری محبت کی

سات آسمانوں سے ہو کے آ گیا لیکن
آج تک نہیں بھولا ، وہ گلی محبت کی

ایک ہی تعلق پر زندگی گزاری ہے
دوستی محبت کی ، دشمنی محبت کی

دل نہیں رہا جس کا زندگی اسی کی ہے
مر گیا ہے وہ ہمدؔم جس نے بھی محبت کی

ایک لفظ ''تم'' لکھو ، ایک لفظ ''میں'' لکھوں
آؤ پھر کریں ہمدؔم شاعری محبت کی

خواب تکتا ہوں مگر کیوں خواب داروں میں نہیں
چاند پر رہتے ہوئے روشن ستاروں میں نہیں

روشنی ترتیب دیتے ہیں نئے انداز میں
یہ ستارے آج کل اپنے مداروں میں نہیں

ایک بھی گملا نہیں اپنی جگہ رکھا ہوا
پھول اچھے ہیں مگر تازہ بہاروں میں نہیں

تیرے جیسا کوئی ہو سکتا نہیں تازہ گلاب
تیرے جیسا پھول کوئی بھی ہزاروں میں نہیں

کس نے کس کس کو پچھاڑا؟ کس نے خود کو مات دی؟
یہ حسابِ زندگی تو گوشواروں میں نہیں

ہجر میں ہم دور رہ کر بھی مجسّم ایک ہیں
ہم نے وہ سودا کمایا جو خساروں میں نہیں

ہر ستارہ اوج پر ہے روشنی کا دائرہ
دیکھنے میں فرق کوئی چار یاروں میں نہیں

اپنی اپنی زندگی میں گم ہوئے ہم اور تم
معذرت! سرکار! اب ہم شہر یاروں میں نہیں

کس قدر بکھرا ہوا ہے گلشن ہستی مرا
رنگ پھولوں میں نہیں ترتیب خاروں میں نہیں

کس طرح تشبیہ دوں تجھ کو کسی پر عیب سے
تیرے جیسی کوئی صورت استعاروں میں نہیں

کیوں مٹا جاتا ہے دنیا سے محبت کا جنوں
نسخہ ء اہل وفا کیوں یادگاروں میں نہیں

دل ہی دل میں سہہ رہا ہوں ذات کا ہر ایک غم
ہم نوا، ہم راز کوئی میرے یاروں میں نہیں

چند سگنل ہیں ضروری راہ میں شام و سحر
زندگی کا موڑ لیکن ان اشاروں میں نہیں

بر سرِ پیکار ہو کر خود بخود ہمدؔم کھلا
جو مزا طوفان میں ہے وہ کناروں میں نہیں

محبت ، مسلسل ، اِدھر بھی اُدھر بھی
یہ دریا، کہ جل تھل اِدھر بھی اُدھر بھی

دھڑکتا، سلگتا، تڑپتا، پھڑکتا
مچلتا ہے پاگل اِدھر بھی اُدھر بھی

ادھر بھی کنارہ ، ادھر بھی کنارہ
مگر ایک ہلچل اِدھر بھی اُدھر بھی

یہ کردار میرا وہ کردار تیرا
کہانی مکمل اِدھر بھی اُدھر بھی

بس اک جیسی وحشت سے دو چار دونوں
اداسی کا جنگل اِدھر بھی اُدھر بھی

فقط مختصر مختصر چند گھڑیاں
سہولت کے دو پل اِدھر بھی اُدھر بھی

پون در پون سلسلہ ہم نوا ہے
مہکتا ہے صندل اِدھر بھی اُدھر بھی

نہ سلجھے، نہ سدھرے، نہ سنورے، نہ سنبھلے
رہا عشق گنجل اِدھر بھی اُدھر بھی

سرِ آئنہ ہی پسِ آئنہ ہے
ہوا مسئلہ حل اِدھر بھی اُدھر بھی

نہ چائے کی پیالی نہ سگریٹ , نہ کافی
نہ پیپسی کی بوتل اِدھر بھی اُدھر بھی

یہ کیا ایک رستے پہ چلتے رہیں ہم
کوئی پیچ اور بل اِدھر بھی اُدھر بھی

نہ سبزہ ادھر ہے، نہ ثمرہ ادھر ہے
وہی ریت کا تھل اِدھر بھی اُدھر بھی

کھنچاؤ ، دباؤ ، تناؤ ، کٹاؤ
عجب ہے یہ کھینچل اِدھر بھی اُدھر بھی

رہیں ہاتھ پاؤں سلامت ہمارے
نہیں حوصلے شل اِدھر بھی اُدھر بھی

یہی ہے زمانہ ، یہی زندگی ہے
یہی آج اور کل اِدھر بھی اُدھر بھی

عجب رنگ میں آگہی کی کرن ہے
نگاہوں سے اوجھل اِدھر بھی اُدھر بھی

سرِ شہر ہنگام اٹھنے لگا ہے
ٹریفک معطل اِدھر بھی اُدھر بھی

حسیں خوش لباسی، حسیں خال و خد ہیں
پھسلتی ہے ململ اِدھر بھی اُدھر بھی

یہ بارانِ رحمت ، یہ ابرِ کرم ہے
دسمبر کا بادل اِدھر بھی اُدھر بھی

نہ تجھ پر کھلا ہے ، نہ مجھ پر کھلا ہے
جہانِ مقفّل اِدھر بھی اُدھر بھی

نہ مطلع ہے ہمدم، نہ مقطع ہے ہمدمؔ
غزل نامکمل اِدھر بھی اُدھر بھی

☆

ایک دن اور کٹا، شام گزاری، سوئے
خواب کے در پہ تھکن ہم نے اتاری، سوئے

ماں کو معلوم ہے بیٹا نہیں آیا اب تک
گھر میں پہنچوں تو مجھے جان سے پیاری سوئے

عشق لاحق ہو تو پھر چین کہاں پڑتا ہے؟
نیند آئے تو کوئی راج دلاری سوئے

بند آنکھوں پہ بھی کھلتا ہے خزانہ ورنہ
کیسے ممکن ہے کوئی خواب سے عاری سوئے؟

کتنی حیرت سے تھیں دوچار مسلسل آنکھیں
دیر تک کرتے رہے خواب شماری سوئے

غنچۂ خواب سے تعبیر کے گل ہونے تک
رات جیسے ہی بہاروں نے بہاری، سوئے

گردشِ وقت نے آلام کے پاؤں باندھے
ڈھل گئی شام، اندھیرے میں شکاری سوئے

ہم نے امید کے دروازے پہ دستک دی تھی
بارے ہم بیٹھے رہے، آئی جو باری سوئے

آنکھ بوجھل تھی، بدن ٹوٹ رہا تھا کب سے؟
جاں کو آئی تھی محبت میں خماری، سوئے

کتنے لوگوں کی تمناؤں پہ قربان ہوئے
کتنی آنکھوں سے لیے نیند ادھاری سوئے

بے قراری میں بھلا نیند کہاں آتی ہے؟
آنکھ لگتی ہی نہ تھی یار ہزاری سوئے

مطمئن دل کو رکھا، بات سحر پر رکھی
ہم نے احساس کی دنیا جو نکھاری، سوئے

آ گئی نیند، چلے، یاد کا بستر کھولا
آخری رات پڑی ہجر پہ بھاری، سوئے

ہم نے اک بار اجالے کی تمنا کی تھی
سحر آنکھوں پہ کیا رات نے طاری سوئے

اس کو معلوم غریبوں کے بھلا خواب کہاں؟
میرے بستر پہ کبھی راج کماری سوئے

ہل چلانا تھا انہیں صبح سویرے اٹھ کر
فکرِ فردا کی لیے آنکھ میں ہاری سوئے

نیند کی گود میسر تھی ہمیں بھی ہمدمؔ
نرم ہاتھوں نے شبِ زلف سنواری، سوئے

حیرتوں کا سلسلہ تھا اور ہم مصروف تھے
جانے کیا کیا ہو رہا تھا اور ہم مصروف تھے

ہر گھڑی آزار تھا گزرے ہوئے ایام کا
تلخیوں کا سامنا تھا اور ہم مصروف تھے

طے ہوا ہم سے نہ لیکن قربتوں کا یہ سفر
ایک پل کا فاصلہ تھا اور ہم مصروف تھے

آگہی کا سلسلہ تھا دیکھتے ہی رہ گئے
روبرو بس آئنہ تھا اور ہم مصروف تھے

ایک ہجرت اور ہی درپیش تھی ہر موڑ پر
بے گھری کا راستہ تھا اور ہم مصروف تھے

خود بخود کھلنے لگی تھیں وقت کی گرہیں تمام
واقعہ کچھ یوں ہوا تھا اور ہم مصروف تھے

دل کی ہر خواہش ادھوری دل ہی دل میں رہ گئی
دھڑکنوں میں ولولہ تھا اور ہم مصروف تھے

وقت ملتا ہی نہیں تھا خود سے ملنے کے لیے
کچھ دنوں سے رابطہ تھا اور ہم مصروف تھے

زاویہ در زاویہ کھنچتے گئے ، بڑھتے گئے
اپنا اپنا دائرہ تھا اور ہم مصروف تھے

لے چلی جانے کہاں؟ چالاک دنیا دیکھ کر
پہلا پہلا تجربہ تھا اور ہم مصروف تھے

خامشی لپٹی ہوئی تھی یوں در و دیوار سے
گھر کے اندر تخلیہ تھا اور ہم مصروف تھے

جان دینا پڑ رہی تھی ایک دوجے کے لیے
زندگی کا مسئلہ تھا اور ہم مصروف تھے

منزلوں سے بے خبر کس راستے کی کھوج میں
در بدر یہ قافلہ تھا اور ہم مصروف تھے

بار بار اٹھتی تھیں آنکھیں اپنے چہرے کی طرف
آج خود سے معرکہ تھا اور ہم مصروف تھے

کس طرح ہمدؔم غزل کے روپ میں ڈھلتا سخن
خواب مصرع ہو چکا تھا اور ہم مصروف تھے

کس کا جلوہ دیکھ لیا ہے روشن چاند ستاروں بعد
ایک ہی صورت ہم نے دیکھی اپنے طور ہزاروں بعد

کون تصور میں آتے ہی اپنا آپ دکھاتا ہے
آئینے کا رنگ بدلتے دیکھا ہے رخساروں بعد

کھڑکی کھولو! میز سجاؤ! گل دانوں کو صاف کرو!
گھر میں تازہ پھول کھلے ہیں کتنی سبز بہاروں بعد

ہاتھ سے ہاتھ ملے ہیں لیکن دل میں ایک خلش سی ہے
یہ کیا مشکل آن پڑی ہے بیچ کھڑی دیواروں بعد

سرد مزاجی پہلے جیسی ، وحشت کا انداز وہی
جنگل جنگل دیکھ لیا ہے ہم نے بھی کہساروں بعد

بند آنکھوں سے دیکھا سپنا سورج نے تصویر کیا
ہجر کا دریا پار کیا ہے ہم نے خواب کناروں بعد

کتنے پرکھوں کی سرداری عشق نگر نے چھینی ہے
کون کسی کی خاطر مرتا اتنے راج دلاروں بعد

بجھتے بجھتے بجھ جاتی ہے آتش لیکن جانے کیوں؟
اک چنگاری رہ جاتی ہے دل میں لال شراروں بعد

خواہش کے بازار کی گرمی نے آخر مجبور کیا
دل کا سودا کر ہی بیٹھے ہم بھی چند خساروں بعد

امن کی آشا کے پانی سے دھرتی پیاس بجھائے گی
جانے کون سی آگ بھڑک اٹھے گی ان انگاروں بعد

حرف تقدس کھو بیٹھے ہیں فکر کی ناؤ ڈبو بیٹھے ہیں
ہم کیسے ہتھیار اٹھائیں جنگوں میں تلواروں بعد

عشق جوا ہے جس میں آخر جان کی بازی لگتی ہے
سر کٹتے ہیں ہر داؤ میں لوگوں کے دستاروں بعد

شہر کے دامن میں ویرانہ ہوتا تھا سب کہتے ہیں
یہ جنگل آباد ہوا ہے پھولوں سے گلزاروں بعد

ہم سے بات بنائے رکھنا، اپنے خواب سجائے رکھنا
کون تمھارے کام آئے گا ہم جیسے غم خواروں بعد

ہوتے ہوتے نقش ہوئی ہے ایک محبت سینے میں
دل میں ایک لکیر کھینچی ہے خواہش کی پرکاروں بعد

فکر و عمل سے بن جاتی ہیں بگڑی ہوئی ساری باتیں
ہمدمؔ حرف ہی کام آتا ہے ظالم سے ہتھیاروں بعد

☆

کسی کے نام پہ تازہ غزل یہی تو ہے
حسیں خیال کا نعم البدل یہی تو ہے

ہر ایک نقش کی رمز و ادا کشید کروں
کسی وجود کی چھل بل کا حل یہی تو ہے

ستارے بام پہ اترے ہیں دیکھنے کے لیے
نظر کی جھیل میں کھلتا کنول یہی تو ہے

تمام عمر اسی پر گزار سکتے ہیں
ہمارے پاس محبت کا پل یہی تو ہے

وہ جس کو خواب میں دیکھا کیے ہزار طرح
وہ رنگ، روپ، سراپا سجل یہی تو ہے

جہانِ خواب سے نکلیں تو ہم کہاں جائیں؟
عدم یہی ہے ہمارا ، ازل یہی تو ہے

وہی ہوا ہے جو ہم دیکھتے چلے آئے
جسے گزار چلے ہم ، وہ کل ، یہی تو ہے

وہ لازوال جسے آئنہ دکھاتا ہے
وہ لاجواب ، وہی بے مثل یہی تو ہے

میں حرف حرف میں لکھتا ہوں مرشدی ! جس کو
مرا سجن ، مرا ماہی ، مٹھل ، یہی تو ہے

ہر اک فریب سے گزری ہے چشمِ عشق جہاں
سرابِ دشت سے آگے وہ تھل یہی تو ہے

یہ سرزمین تو اپنی ہے ، اے دلِ ناداں!
ذرا سی دیر ٹھہر جا ! سنبھل ! یہی تو ہے

یہ زندگی ، جسے کہتے ہیں گردشِ دوراں
ادائے گیسوئے جاناں کا بل یہی تو ہے

کسی کے ساتھ نہ جینا بھی کوئی جینا ہے
ہمارے پیچ یہ ہجراں ! اجل یہی تو ہے

تمام عمر کا حاصل ، چراغِ نورِ سحر
ریاضتِ شبِ ہجراں کا پھل یہی تو ہے

ہر ایک خواب نے تعبیر ہو کے رہنا ہے
یقین ! خود پہ بھروسہ ! اٹل یہی تو ہے

جو دل کی مان لے اس کا دماغ ہوتا نہیں
بقول شخصے و غالب خلل یہی تو ہے

چراغ ہم نے جلائے ہیں رات بھر ہمدؔم
ہم ایسے خواب وروں کا محل یہی تو ہے

ٹوٹا سہی، چراغ اٹھائے ہوئے تو ہیں
اندھی ہوا کے سامنے آئے ہوئے تو ہیں

کیسے کہیں کہ خاک سے نسبت نہیں رہی
کچھ نقش اپنا رنگ جمائے ہوئے تو ہیں

ماں کی دعا ملی ہے، ہمیں کوئی غم نہیں
صد شکر! ایک در پہ دعا ئے ہوئے تو ہیں

اب اور کیا ہماری وفا کا ثبوت ہو
تن من ترے بغیر جلائے ہوئے تو ہیں

یہ کون لوگ ہیں؟ جو ہمیں جانتے نہیں
مٹی کا قرض ہم ہی اٹھائے ہوئے تو ہیں

کب چھوڑتی ہے دل کو یہ ظالم لگی ہوئی
دامن کو بار بار چھڑائے ہوئے تو ہیں

دنیا! دیارِ عشق سے باہر نہیں، سمجھ!
ہم بھی کسی کے دل میں سمائے ہوئے تو ہیں

کب جیت میں بدلتی ہے اپنی شکستگی
دیکھیں! کوئی بساط بچھائے ہوئے تو ہیں

کیا کیا عطا کرے گی یہ نظارگی ہمیں
آنکھوں کو امتحان میں لائے ہوئے تو ہیں

مقبول ہو رہے گی عبادت یہی کبھی
سجدے میں اپنے دل کو جھکائے ہوئے تو ہیں

یہ ضبط رنگ لائے گا مرنے کے بعد بھی
اپنے تئیں جہاں کو بھلائے ہوئے تو ہیں

تصویر ہو رہیں گی ہماری محبتیں
دیدہ و دل کا ساتھ نبھائے ہوئے تو ہیں

لے جائے کس مقام پہ دیکھیں! سخن وری
محفل میں چند شعر سنائے ہوئے تو ہیں

کیسے میں چشم زاد کو ہمدؔم برا کہوں
اس نے بھی چند خواب دکھائے ہوئے تو ہیں

☆

پیش منظر میں آئنہ رکھ دو
خود سے ملنے کا راستہ رکھ دو

اک طرف ساری کائنات رکھو
اک طرف دل کا مسئلہ رکھ دو

یا قیامت کرو ! کہ عدل کرو
یا قیامت پہ فیصلہ رکھ دو

مجھ کو زیتون سے محبت ہے
میرے حصے میں فاختہ رکھ دو

روشنی کا سفر ضروری ہے
طاقچے میں کوئی دیا رکھ دو

شہر دل میں غزل کی آمد ہے
آج کوئی مشاعرہ رکھ دو

تم سے ہوں گی نہ پیار کی باتیں
چھوڑ دو ! تم یہ فلسفہ رکھ دو

یہ بکھیڑا تمہارا روگ نہیں
رکھ بھی دو ! عشق ، بس دلا ! رکھ دو

اپنے ہاتھوں سے مجھے تراش چکے
چوک پر اب مجسمہ رکھ دو

جاؤ! جاؤ! میاں! خرابے میں
میرے حجرے میں تخلیہ رکھ دو

تلخیاں بھی قبول ہیں ہمدم
ان میں جینے کا ذائقہ رکھ دو

آثار مرے عہد کی تہذیب میں رکھ دو
مجھ کو بھی کسی خواب کی ترکیب میں رکھ دو

میں نے بھی خد و خال کہیں نقش کیے ہیں
اک شعر مرا حسن کی ترتیب میں رکھ دو

یہ خاک نئے دور کی بنیاد بنے گی
تعمیر مری ذات کی تخریب میں رکھ دو

مجھ پر تو مرا عشق قصیدہ نہیں کھلتا
تم قصد کرو مجھ کو ہی تشبیب میں رکھ دو

سورج نظر آئے گا مجھے خواب نگر میں
اک صبح کبھی شام کی تقریب میں رکھ دو

دوڑی چلی آئے گی مرے ذکر پہ دنیا
تم خواب کی جنت کسی ترغیب میں رکھ دو

لے دے کے مرے پاس یہی نام بچا ہے
اس کو ہی کسی موڑ پہ تنصیب میں رکھ دو

احساس مرا موج غزل ہو کے رہے گا
انداز مرا جتنے اسالیب میں رکھ دو

مجھ سے کسی جھوٹے کی خوشامد نہیں ہوتی
اس بات کو ہر جھوٹ کی تکذیب میں رکھ دو

انسان کی عظمت کا تقاضا ہے کہ ہمدؔم
قرآن کو اولاد کی تادیب میں رکھ دو

کوئی اجازت ، کوئی ارادہ ، بلا ارادہ
حضور اب کوئی اور وعدہ ، بلا ارادہ

بلا تکلف ، بلا توقف ملا ہوں تجھ سے
مری محبت ہے کتنی سادہ ؟ بلا ارادہ

ابھی تو جانے کے دن نہیں تھے زمین زادی!
کہاں چلا ہے؟ یہ خاک زادہ بلا ارادہ

ہم ایک دوجے کی زندگی میں سفر کریں گے
ہمارا رستہ ہے آدھا آدھا بلا ارادہ

تری محبت، تجھے مبارک! سو تیری مرضی
مری محبت، مرا لبادہ بلا ارادہ

طناب دل کی سنبھالی جائے نہ کھینچی جائے
یہ خیمہ ہوتا ہے ایستادہ بلا ارادہ

کوئی بناوٹ، کوئی تصنع، ریا نہیں ہے
وسیع دل ہے، نظر کشادہ بلا ارادہ

میں بے خودی کے حصار میں تجھ کو سوچتا ہوں
مری ریاضت، مرا اعادہ بلا ارادہ

پون پون سے جو پیار یونہی چھلک رہا ہے
یہی ہے فطرت کا خاص مادہ بلا ارادہ

گھلی ہے مجھ میں تمام رنگوں کی روشنائی
میں خاک اور نور کا برادہ بلا ارادہ

تجھے بھی کوئی خبر نہیں ہے دل و نظر کی
ہوا ہے مجھ کو بھی پیار زیادہ بلا ارادہ

حسین ترکش کے تیر سارے قضا ہوئے ہیں
بھٹک رہی ہے نگاہِ سادہ بلا ارادہ

میں رکھ رکھاؤ میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوا ہوں
نگاہِ ساقی پلا نہ بادہ بلا ارادہ

میں تیری قربت میں جی رہا ہوں، یہی بہت ہے
نکل نہ جائے یہ جاں مبادا! بلا ارادہ

بلا رہے تھے وہ خواب رستے، سو چل پڑا میں
سفر کیا ہے تمام پیادہ بلا ارادہ

وہی ہے جنگل میں روشنی کی لکیر جیسا
بنا لیا ہے جو ایک جادہ بلا ارادہ

میں دشتِ امکاں میں لامکاں کا سفیر ٹھہرا
ملا ہے مجھ کو یہ خانوادہ بلا ارادہ

فقیر سائیں کا در میسر تو فکر کیسی؟
"ایہہ ڈر کسے داتے خوف کاہدا" بلا ارادہ

ہوا کے گھوڑے پہ عمر گزری مری مسلسل
زمین چھوڑی ہے ، رزق لادا بلا ارادہ

عجب ہے دھڑکن سے کوئی مجھ کو پکارتا ہے
کدھر چلا ہے او بے مرادا ! بلا ارادہ

یہ حسنِ معنیٰ نوائے موجِ غزل ہے ہمدمؔ
سخن کیا ہے جو حرفِ سادہ بلا ارادہ

کوئی تو ہم قافیہ ملے گا غزل میں ہمدمؔ
نبھا رہا ہوں ردیف سادہ بلا ارادہ

آنکھوں سے دل کی بات بتانی شروع کریں
آؤ! نئے سرے سے کہانی شروع کریں

تہذیب کے نقوش، محبت کے چند پھول
یادوں کی بیل گھر پہ چڑھانی شروع کریں

ایسا نہیں کہ عشق کسی پر نہ کھل سکے
کھلتا رہے گا حسنِ معانی شروع کریں

کوزہ گری یہی ہے کہ مٹی دوام ہو
یہ لیں ملا کے آگ سے پانی شروع کریں

دنیا تو ہم نکال چکے ہجر سے جناب!
دیوار کوئی اور اٹھانی شروع کریں

ہم نے تو اپنا رزق اٹھانا ہے اور بس!
تاجر ہیں آپ اپنی گرانی شروع کریں

جدت کوئی تو شعر میں اپنے بھی نام ہو
کوئی تو رمز دل سے نبھانی شروع کریں

بڑھنے لگا ہے ذہن میں سوچوں کا فاصلہ
وہم وگماں کی دھند مٹانی شروع کریں

کیا پھر سے آئنے کا تماشا کریں حضور؟
کیا زندگی کی فلم دکھانی شروع کریں؟

جی چاہتا ہے عشق مکمل کیے چلیں
جو زندگی بچی ہے گنوانی شروع کریں

ہم بھی اسی جہاں میں وفا کے سفیر ہیں
ہم سے بھی رسم و راہ بڑھانی شروع کریں

احساس کی زمین کو بنجر نہ کیجیے
سبزہ دلی سے گھاس اگانی شروع کریں

سینے کی آگ پھر سے جلانی شروع کریں
جو شمعیں جل رہی ہیں بجھانی شروع کریں

اب ہار ہو کہ جیت ! محبت کے نام ہے
دل رکھ دیا بساط پہ جانی ! شروع کریں

داؤ پہ جاں لگا کے مسلسل کریں سفر
بچپن گزر چکا ہے ، جوانی شروع کریں

گاڑی چلے گی آج تو پہنچے گی کل تلک
فردا کی ریل کار چلانی شروع کریں

سنتے ہیں اس گلی سے گزرنا ہے آپ کو
رستے میں اپنی جان بچھانی شروع کریں

رہنے دیں میرا ذکر، مری داستانِ ہجر
فی الحال اپنی بات بتانی شروع کریں

ایسا نہ ہو کہ خود سے چرانی پڑے نظر
تصویر آئنے سے چھپانی شروع کریں

ہم بھی یہیں کہیں ہیں ترے ہی قریں مگر
کائی سی درمیاں سے ہٹانی شروع کریں

مل جائے گا سراغ سرابوں کے شہر کا
صحرا سے میری خاک اٹھانی شروع کریں

سچی محبتوں کی کہانی کا شکریہ!
یہ داستان پھر سے سنانی شروع کریں

سب جانتے ہیں پھر بھی مکرر نوائے دل!
موج غزل میں اپنی زبانی شروع کریں

آنکھیں ترس گئی ہیں بنوں کے غزال کو
ہمدؔم غزل کی بات سنانی شروع کریں

تھم گیا رقصِ جنوں، جبرِ مسلسل، شکریہ
زندگی کے مسئلے کا آخری حل، شکریہ

کون سنتا ہے وگرنہ درد کی آواز کو
شکریہ دشتِ بلا! وحشت کے جنگل، شکریہ

دھوپ نگری ہے مگر سر پر ترا سایہ تو ہے
تشنگی دل کی مٹانے والے بادل! شکریہ

کم نگاہی! تیر دل سے آر ہو یا پار ہو
اے خلش! کچھ تو ہوئی ہے آج ہل چل، شکریہ

چند پل مجھ کو نکالا گردشِ ایام سے
مے کدے میں رقص کرتی بند بوتل، شکریہ

ہوش میں رہ کر مری منزل کہاں ملتی مجھے
چند لمحے تو مجھے رکھا ہے بے کل، شکریہ

کتنی پرتیں کھل رہی ہیں زاویہ در زاویہ
ہر گھڑی احساس کے مصروف گوگل، شکریہ

جانتا ہوں کیا چھپا ہے؟ حسن کے چھلکاؤ میں
چشمہءِ دل پر چھلکتی شوخ چھاگل، شکریہ

ایک پل میں طے کیا ہے کتنی صدیوں کا سفر
آج کے ماحول میں گزرے ہوئے کل، شکریہ

تجھ میں دیکھی ہے اندھیری رات سے نکلی سحر
اے مرے محبوب کی آنکھوں کے کاجل! شکریہ

تو نے کتنے واہموں کا دشت دریا کر دیا
تندیِ جذبات کے بپھرے ہوئے جل ! شکریہ

میں وگرنہ ریت کے صحرا میں کھو جاتا کہیں
تو نے میرا مان رکھا ہے مرے تھل ! شکریہ

کب تلک بیٹھا رہے گا یوں کسی سے روٹھ کر
اٹھ ! سنبھل ! ساماں اٹھا ! انگلی پکڑ ! چل ! شکریہ

کھل گیا مجھ پر کہ میرا راستہ کچھ اور ہے
اے جبینِ وقت پر آئے ہوئے بل ! شکریہ

تو مرے اجداد کی تہذیب کا عکاس ہے
زندگی کے پیڑ پر آئے ہوئے پھل ! شکریہ

تیری خوشبو سے ہوئی ہے زندگی موجِ غزل
میری سانسوں میں مہکنے والی صندل ! شکریہ

تجھ کو پایا ہے تو جیسے میں مکمل ہو گیا
زندگی بھر کا اثاثہ ہے یہی پل ، شکریہ

تو حقیقت ہے مگر پھر بھی یقیں آتا نہیں
دیکھتا ہوں خواب جیسے آنکھیں مل مل ، شکریہ

تیرے جذبے سے مری سب منزلیں آسان ہیں
اے دلِ نادان ! وحشی اور پاگل ! شکریہ

میں کہ ہمدؔم نامکمل سا کوئی کردار تھا
کر دیا تو نے محبت سے مکمل ، شکریہ

☆

اگرچہ میرا ذاتی مسئلہ ہے
محبت ، کائناتی مسئلہ ہے

بہت ہی خوب صورت زندگی ہے
مگر یہ بے ثباتی ، مسئلہ ہے

سفر ہے اور سفر جاری رہے گا
زمانہ حادثاتی مسئلہ ہے

کھڑی ہے قرض پر دنیا ہماری
تو کیا یہ واجباتی مسئلہ ہے؟

یہاں پر چاند کی اوقات کیا ہے؟
یہاں پر تو چپاتی مسئلہ ہے

تم اپنے ہو، سو اپنی حد میں رہنا
عدو کا نفسیاتی مسئلہ ہے

نئی تہذیب ہے پختہ عمارت
یہ خاکی اور دھاتی مسئلہ ہے

سنا ہے، عشق نے گھیرا ہوا ہے
سنا ہے ، وارداتی مسئلہ ہے

سماعت بانجھ ہے، الفاظ گونگے
یہی تو صوتیاتی مسئلہ ہے

سماجی رابطہ اچھا ہے لیکن
وفا کیا ؟ برقیاتی مسئلہ ہے

کوئی بھی وار ہو ، پر سامنے ہو
کشادہ دل نہ چھاتی مسئلہ ہے

عجب ہے فرقہ بندی کا بکھیڑا
حیاتی اور مماتی مسئلہ ہے

تمہارے بن کوئی بھی حل نہیں ہے
عجب ہے یک نکاتی مسئلہ ہے

یہ پتھر کے پجاری کہہ رہے ہیں
عبادت سومناتی مسئلہ ہے

مجھے مشکل میں جینا پڑ رہا ہے
مری ساری حیاتی مسئلہ ہے

جہانِ فکر سے ہمدم جڑے ہیں
ہمارا شعریاتی مسئلہ ہے

☆

محبت کی روایت کو روایاتی نہیں رہنا
یہ رشتہ دل سے دل کا ہے، خیالاتی نہیں رہنا

بہت گہرا تعلق ہے، رہے گا آخری دم تک
ہمیں دو چار لمحوں کا ملاقاتی نہیں رہنا

سرِ تقدیر جو لکھی ہوئی ہے، بات لازم ہے
یہ مٹی کا فسانہ تو حکایاتی نہیں رہنا

سبھی نے اپنے حصے کی کہانی پار کرنی ہے
کسی کردار نے یونہی مکافاتی نہیں رہنا

کوئی چشمِ تماشائی، کوئی آئینہ ء دل ہے
کسی پتھر نے دنیا میں جماداتی نہیں رہنا

کسی خوش رنگ بستی میں مجھے بھی گھر بنانا ہے
مجھے شہرِ محبت کا مضافاتی نہیں رہنا

نئے انداز میں فصلِ کہن بے بود ٹھہرے گی
کسی صورت مری کھیتی کو دیہاتی نہیں رہنا

یہ کچا رنگ، یک چشمی، طلسماتی تماشا ہے
سرابِ عکس نے آخر کرشماتی نہیں رہنا

محبت سے، تحمل سے، سنہری بات کہنی ہے
سخن کا رزق چکھا ہے تو جذباتی نہیں رہنا

ہماری داخلیت میں جہاں کا درد شامل ہے
ہمارا مسئلہ ہے جو کبھی ذاتی نہیں رہنا

ہمیں کتنا بھروسہ ہے؟ مگر جب وقت آئے گا
کوئی ہمدم نہیں رہنا، کوئی ساتھی نہیں رہنا

ٹوٹا نہیں چراغ ہمارا تو کیا ہوا؟
اوجھل نہیں ہوا یہ ستارہ تو کیا ہوا؟

دل کی زمین کم تو نہیں ہے ترے لیے
خواہش کے آسماں سے اتارا تو کیا ہوا؟

ہر کوئی چن رہا تھا گلابوں سے روشنی
ہم نے بھی اپنا رنگ بہارا تو کیا ہوا؟

ہم ایک ہی صدا پہ رکے، مست ہو گئے
آنکھوں نے بار بار پکارا تو کیا ہوا؟

ہم کو بھی زندگی سے پرانا حساب تھا
بیتے دنوں کو ہم نے شمارا تو کیا ہوا؟

بے تال جھومتے تھے سبھی تشنگاں مگر
ساقی نے دیکھتے ہی خمارا تو کیا ہوا؟

ایسا بھی کیا کہ زندگی دنیا میں جھونک دیں
کچھ وقت ہم نے ساتھ گزارا تو کیا ہوا؟

ہم بھی کسی نظام کے سود وزیاں میں تھے
کم ہو سکا نہ ہم سے خسارا تو کیا ہوا؟

ویسے بھی ہے بھنور سے ہماری ٹھنی ہوئی
روٹھا ہوا ہے ہم سے کنارا تو کیا ہوا؟

صدیوں سے کوئی آگ بجھائی نہیں گئی
پھر جل اٹھا ہے کوئی شرارہ تو کیا ہوا؟

شاید ہوا کے ہاتھ میں آیا ہوا ہے دل
اڑتا ہے آسماں پہ غبارہ تو کیا ہوا؟

ویسے بھی ایک پھول کو کھلنا ضرور تھا
کاغذ پہ حرف نکھارا تو کیا ہوا؟

صد شکر! اپنے آپ کو بے بس نہیں کیا
ہمدؔم نہیں رہا ہے سہارا تو کیا ہوا؟

چاندنی ہے کہ پری اتری ہوئی جھیل میں ہے
کوئی تو رنگ نیا خواب کی تشکیل میں ہے

لوگ پڑھتے ہیں، سمجھتے ہیں، محبت کیا ہے؟
یہ کہانی ترے کردار کی تمثیل میں ہے

تشنگی مٹتی نہیں، بڑھتی چلی جاتی ہے
وصل میں لطف کہاں؟ ہجر کی ترسیل میں ہے

تجھ کو پڑھتا ہوں تو پڑھتا ہی چلا جاتا ہوں
یہ تلاوت بھی عجب حسن کی ترتیل میں ہے

خیر اور شر میں توازن نہیں رکھا جاتا
زندگی منفی و اثبات کی تعدیل میں ہے

ایک نقطے کی طرح لمحہ ء موجود میں ہوں
مختصر ذکر مرا وقت کی تفصیل میں ہے

بادشاہا! ترے زنداں میں کشش ہے کیسی؟
ایک مدت سے رعایا تری تحویل میں ہے

یوں محبت میں بکے شخص کی اوقات ہے کیا؟
کاسہ ء عشق میں یا حسن کی زنبیل میں ہے

سب چراغوں نے اندھیروں کو سہولت دی ہے
روشنی بجھتی ہوئی آخری قندیل میں ہے

مرحلہ شوق کا آسان نہیں ہے لیکن
میری منزل تو مری راہ کی تکمیل میں ہے

پردۂ چشم پہ تصویر نہیں ہو سکتی
یہ لطافت جو ترے رنگ کی تحلیل میں ہے

وقت ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا کسی کی خاطر
یہ سبک سار زمانہ بڑی تعجیل میں ہے

بڑھتا جاتا ہے مرا رزق خسارے میں سہی
کون کہتا ہے خزانہ مرا تقلیل میں ہے

کیسے خاموش رہوں، جبر نہیں سہہ سکتا
کچھ نہ کہنا، مرے اجداد کی تذلیل میں ہے

شعر کہنے کی سہولت کو یہی دن ٹھہرا
یعنی تخلیق بھی اتوار کی تعطیل میں ہے

میں کنائے سے سمجھتا ہوں حقیقت ہمدم
آگہی میری کسی رمز کی تعمیل میں ہے

روشنی، آگہی، شاعری صرف تم
خواب سے خواب تک زندگی صرف تم

صبح سے شام تک زندگی تم سے ہے
ہو چراغِ سحر! روشنی صرف تم

نغمگی سانس لیتی ہوئی راگنی
دھڑکنوں میں بسی بانسری صرف تم

تم سے وابستگی ہے محبت مری
یاد آتے رہو، ہر گھڑی صرف تم

خود سے بے گانگی میری اپنی نہیں
بے کلی صرف تم ، بے خودی صرف تم

عین تم ، شین تم ، قاف تم ہی تو ہو
مذہب عشق میں بندگی صرف تم

خود سے ملنے کی فرصت نہیں ہے مجھے
مل گیا ہوں جسے ، ہو وہی صرف تم

تم سے خوشبو کا موسم ہے دالان میں
دل کے آنگن میں کھلتی کلی صرف تم

آبشاروں میں الجھی ہوئی لہر تم
گنگنائی ہوئی اک ندی صرف تم

جانِ ہمدم ، کہی ، ان کہی تم سے ہے
گفتگو صرف تم ، خامشی صرف تم

☆

بے سبب ذات پہ، مذہب پہ اتر آتا ہے
کون کردار کے منصب پہ اتر آتا ہے

چند باتوں میں ہی کھل جاتا ہے اخلاص کا رنگ
ہر کوئی اپنے ہی مطلب پہ اتر آتا ہے

ڈستا رہتا ہے مسلسل جو ہمیں ہجر کی شب
قرب کا کرب بھی عقرب پہ اتر آتا ہے

جس کے ہاتھوں میں ہر اک کھیل ہے، جانے کیوں کر؟
کیا ہوا ؟ کیسے ہوا ؟ کب ؟ پہ اتر آتا ہے

کون جانے کہ تجلّی کا مآخذ کیا ہے؟
نور در نور جو کوکب پہ اتر آتا ہے

کھلنے لگتی ہے تماشے کی حقیقت جوں ہی
اک مداری ہے جو کرتب پہ اتر آتا ہے

ایک بد روح کا سایہ ہے وطن پر شاید
کوئی آسیب جو ہم سب پہ اتر آتا ہے

اور ہی رنگ نکھرتا ہے تری شام کے بعد
اور ہی خواب تری شب پہ اتر آتا ہے

ہم جسے حسنِ تغزل کی ادا کہتے ہیں
شعر در شعر تری چھب پہ اتر آتا ہے

کون احساس پہ دم کرنے لگا ہے ہمدؔم
میرا ادراک مرے لب پہ اتر آتا ہے

گردشِ ایّام سے اوقات کا پہیہ چلے
جس طرح بھی چل سکے حالات کا پہیہ چلے

رابطے کا سلسلہ ہے یوں مجھے رزقِ سخن
کچھ کہیں تو خامشی میں بات کا پہیہ چلے

چھوڑ کر مایوسیاں اچھے دنوں کی بات کر
اس نفی کے دور میں اثبات کا پہیہ چلے

دل سرابوں سے نکل کر سبز ہو شاداب ہو
پیاس کے صحرا میں یوں برسات کا پہیہ چلے

کون سمجھے گا ہماری سوشیالوجی یہاں؟
کس طرح کچلے ہوئے طبقات کا پہیہ چلے

سر اٹھانا ہے ہمیں بونا قدوں کے شہر میں
اپنی اپنی ذات کے درجات کا پہیہ چلے

خواہشوں کی جل پری آغوش لیتی ہے مجھے
بے خودی میں یوں مرے جذبات کا پہیہ چلے

بندۂ مزدور کی اوقات ہے اس پر میاں!
کچھ کما لائے تو اخراجات کا پہیہ چلے

راس آتی ہی نہیں ہے شہر کی آب و ہوا
دل کی شاہراہوں پہ بس دیہات کا پہیہ چلے

نسبتِ حبِّ علیؓ سے فکر کی میراث ہے
علم کے میدان میں سادات کا پہیہ چلے

کارخانے کی مشینوں سے سبھی دل شاد ہوں
صنعت و حرفت میں یوں آلات کا پہیہ چلے

آؤ ہم انسانیت کے واسطے کچھ کر چلیں
ہر گلی، ہر موڑ پر خدمات کا پہیہ چلے

کوڑے کرکٹ سے بری ہے سوچ کی آلودگی
اس غبارِ ذہن میں آفات کا پہیہ چلے

امن کے بازار میں کم زور بھی خوش حال ہوں
ریڑھی، ٹیکسی اور رکشہ جات کا پہیہ چلے

اک صحیفہ روز اترے فکر کے دالان میں
زود گوئی سے مرے صفحات کا پہیہ چلے

خسروی رنگِ سخن میں زندگی سجنے لگے
پھر کسی فنکار کے نغمات کا پہیہ چلے

اس قدر افواہوں سے میرا یقیں اٹھنے لگے
جس قدر بھی شہر میں خدشات کا پہیہ چلے

کوئی مجرم چھپ نہیں سکتا کبھی قانون سے
جرم سے پہلے جو تحقیقات کا پہیہ چلے

ایک پل میں ساری دنیا گھوم کر آتا ہوں میں
اس قدر تیزی سے معلومات کا پہیہ چلے

آئنے کی آگہی میں جھوٹ ممکن ہی نہیں
روشنی میں کیسے کالی رات کا پہیہ چلے

اپنے گھر کو چھوڑنا گویا قیامت خیز ہے
ہجرتوں کی راہ پر صدمات کا پہیہ چلے

ہر قدم در پیش ہے شہرِ انا ہمدمؔ ہمیں
دِل کے اسٹیشن سے آگے ذات کا پہیہ چلے

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام: آخری چراغ۔

شاعر: ہاشم علی خان ہمدمؔ۔

وضاحت: یہ ہاشم علی خان ہمدمؔ کے کلام کا چودھواں مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جارہا ہے۔

صفحات: ۲۲۱

سالِ اشاعت: مارچ ۲۰۲۴ سنہ

ہدیہ: دعائیں۔

پبلشر: مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔

برقی ڈاک: itshamdam@gmail.com

ارکائیو ربط: archive.org/details/@nzkiani

ہاشم علی خان ہمدمؔ کا سرمایۂ شعر و سخن

- موجِ کرم (حمد و نعت)
- پانچواں موسم (غزلیات)
- آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
- موجِ غزل (طرحی غزلیات)
- محبت کی زبان (طرحی غزلیات)
- دُھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)
- چراغِ فکر (طرحی غزلیات)
- جہانِ خواب (طرحی غزلیات)
- چشمِ تماشا (طرحی غزلیات)
- سراب سے آگے (طرحی غزلیات)
- تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)
- آدھا سفر (طرحی غزلیات)
- نمودِ سحر (طرحی غزلیات)
- آخری چراغ (غزلیات)
- چراغِ حرف (غزلیات)
- غزل پوش (غزلیات)
- دم (دیوان)
- سبیل کرم (نعتیہ مجموعہ)
- طیبۂ جاں (نعتیہ نظمیں)
- خواب سراب (نظمیں)
- روشنی کے پھول (سلام و مناقب)
- سیلفیاں (مزاحیہ کلام)

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام